رسالہ ندیم گیا (۱۹۳۱ء - ۱۹۴۹ء) سے انتخاب - ۵

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

مکتوباتِ مشاہیر

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رسالہ ندیم گیا (۱۹۳۱ء - ۱۹۴۹ء) سے انتخاب - ۵

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

مکتوبات مشاہیر

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

اشاعت : ۱۹۹۹ء

قیمت : چالیس روپے

غیر ممالک کے لیے : دو ڈالر

طابع و ناشر: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

حرف آغاز

ہماری اشاعتی پالسی رہی ہے کہ کتابوں کے علاوہ رسالوں کے انتخابات بھی شایع کیے جائیں جو علم و ادب کی ترویج اور تحقیق و تدوین میں معاون ثابت ہوں۔ لہٰذا اردو کے اہم اور قدیم رسالوں کے موضوعی انتخابات شایع کیے جا رہے ہیں۔ رسالہ "ندیم" گیا کا شمار نہ صرف بہار بلکہ ہندوستان کے مؤقر رسالوں میں ہوتا تھا۔ یہ ۱۹۳۱ء سے نکلنا شروع ہوا اور ۱۹۴۹ء تک جاری رہا۔ اب تک اس کے انتخابات کی چار جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

"مکتوبات مشاہیر" ملک کی اٹھارہ نامور ہستیوں کے خطوط کا مجموعہ ہے۔ چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا ابوالکلام آزاد، فضل حق، پنڈت موتی لعل نہرو، غالب، علامہ شبلی نعمانی، علامہ اقبال اور شاد عظیم آبادی وغیرہ۔

ہمیں یقین ہے ماضی کو حال میں پیش کرنے کی ہماری یہ کوشش مفید ثابت ہوگی۔

——— حبیب الرحمٰن چغانی

فہرست

کو ترجیح دی اور مشغولیوں کی نازکیاں پیچھے ڈال دیں بس اتنا کافی رہا
کہ کم سے کم وقت وہ اس صرف ہوا اور صرف ناگزیر اور وقتی
ضروری ملاقات سر دست منتخب کر لیے جائیں پھر جو باقی میں
ان شاء اللہ بقیہ ملاقات کا بھی ازالہ ہو جائیگا ۔

امید ہے کہ آپکی ماندگیاں جنکا میرٹھ میں تذکرہ ہوا تھا
قائم ہو گئی بلکہ مزید محکم و استوار میں نے طے کر لیا ہے کہ
کچھ دنوں صحبت رہے اور آپکی خواہش کے مطابق سفر و حضر
میں یکجا ہی رہیں علی الخصوص سفر میں خدا نے چاہا تو موجب
نتائج و ثمرات ہوگا

امید ہے کہ مسٹر ظفر الحق (عنقریب با قاعدہ عالم
مولانا ظفر الحق کہنا چاہیے اگرچہ وہ اس سے خوش نہ ہونگے) بدستور
مشغول و منہمک ہونگے ۔ اب ان سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے
اللہ تعالی ان کے ایثار و اخلاص کو مزید قبولیت و ثمرات عطا فرمائے
فقیر ابوالکلام احمد عفا اللہ

بیادر بن ۸ [illegible]

اور اسی خط میں بھی لکھا ہے اگر اس ہفتہ میں ایک قطعی ارادہ جلد
مرہ میں عزم کیجئے ہی سفر ہے تو پھر امروز و فردا میں
وقت ضائع نہ کیجئے اور فوراً چلے آئیے۔ اگر آپ نے
چند دنوں بھی صحبت کی تو ان شاء اللہ بہترین نتائج
حاصل ہوں گے۔
اگر آپ ساتھ رہیں تو دنیں میں بلا تاخیر اس انگریزی
کے وکیل جنرل کو جاری کردوں جسکا عرصہ سے ارادہ
کر رکھا ہوں۔ اور جسکی بالفعل سخت ضرورت ہے۔ افسوس ہے
کہ مجھے ایسے رفقا و شرکا نہیں ملتے جو میرے افکار کو میری
منشا کے مطابق انگریزی میں لکھ سکیں۔ میں چاہتا ہوں
کہ ابتدائے اگست سے یہ رسالہ نکل جائے۔ روزانہ
اور البلاغ بھی جاری کر رکھے ہوں۔ دونوں کام
بہ جبر سفر میں خارج نہ ہوں گے۔ ان کو
جاری رہیں گے۔ اور بمبئی تک دیکھوں
میں کل بمبئی کیلئے یہیں سے روانہ ہونگا
ابوالکلام

۱۰ جولائی ۲۱ء

چند مکتوبات حضرت اثر عظیم آبادی

شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب اثر عظیم آبادی مرحوم کے خطوط ناچیز کو جناب پروفیسر محمد طاہر رضوی ایم اے سے دستیاب ہوئے ہیں جو نواب اثر مرحوم نے پروفیسر صاحب ممدوح کے والد محترم سید محمد عسکری رضوی مرحوم ساکن جپلا حسین آباد کے نام تحریر فرمائے تھے۔ یقین ہے کہ حضرت اثر عظیم آبادی کے ان خطوط کو بھی اس مختصر نوٹ کے ساتھ اوراق پر آثار علمیہ ادبیہ کے تحت شائع فرما دیں گے۔

بندۂ احقر سید رضا قاسم مختار دیارون پوسٹ جپلا۔

(۱)

مرقومہ ۶ فروری ۱۹۲۳ء

آنجہ

عزیز جانم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ بعد دعائے خیر عرض ہے کہ بخیریت ہوں اور خیریت کا طالب۔

منو دو ہزار اور چار سو روپیہ کی ہنڈی لیکر جاتے ہیں۔ منو سے آپ کو لاہ چھڑوانے میں پوری مدد ملیگی۔ لاہ چھڑانے کے زمانہ تک منو آپ کی خدمت میں حاضر رہیں گے۔ جیوجی کی نگرانی کا سامان جو مناسب ہو عمل میں لایا جائے۔ ضروری حالتوں سے بھی مطلع فرماتے رہیگا۔

عزیزم نواب سر علی امام صاحب ابر و باد و ناہمواری راہ موٹر کے باعث ڈالٹین گنج نہیں جا سکے۔ مگر باہنل سنگھ زمین کے بکے دیکھنے کے لئے جائیں گے۔ ایک خط ہم ان کے نام کا بدست منو کے موصوف کے پاس روانگی ڈالٹین گنج کی نسبت روانہ کرتے ہیں۔ صبح تک منو اور موصوف آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔

کل یعنی ۷ فروری کو ہم دوپہر کی گاڑی سے بانکی پور جائیں گے۔ ۱۱ (گیارہویں) فروری کو علی امام ولایت روانہ ہوتے ہیں۔ بقرینۂ غالب ۱۲ (بارہویں) کو ہم انشاءاللہ تعالیٰ بانکی پور سے یہاں واپس آجائیں گے۔ تب عزیزم ڈاکٹر غلام امام صاحب گرانائٹس کا نمونہ لیکر کلکتہ روانہ ہوں گے۔ آئندہ جو امور دریافت میں آئیں گے ان سے آپ کو مطلع کرتا رہوں گا۔

یہاں خفیف بارش آج ہوئی ہے۔ مگر ابر ہر طرف محیط ہے۔ فقط

دعاگو

امداد امام عفی عنہ

سنہ آپ نے ۳ فروری ۱۹۳۳ء جمعہ کو جپلا حسین آباد میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ رضا قاسم

بجے شب تک ہم لوگ ڈہری پہنچ جائیں گے۔ بچو بابو سلمہٗ نے اسٹیشن ڈہری پر سامان سواری اور باربرداری کا بندوبست کر رکھا ہے اور خود بھی اسٹیشن ڈہری پر موجود رہینگے۔ ڈہری میں عزیز موصوف نے سہسرام کے سجادہ نشین صاحب کی کوٹھی کرایہ کر لی ہے، وہ کوٹھی دو مہینے کے لئے کرایہ لی گئی ہے اور اس کا کرایہ اسی روپیہ ماہانہ قرار پایا ہے۔ وہ کوٹھی کچھ شک نہیں کہ بڑی ہے اور ایک وقت میں ہم اس کوٹھی میں رہ بھی چکے ہیں۔ لب سون واقع ہے۔ تبدیل آب و ہوا کے لئے بہت ہی مناسب ہے علاوہ اس کے کہ سردست ہم کو اپنے یہاں کے مکان سے اٹھ جانا ایک ضروری امر دکھائی دیتا ہے۔

میری صحت کچھ روز وں سے خراب ہو رہی ہے۔ شاید تقاضائے پیری سے میری یہ حالت ہو رہی ہے۔

عزیزم حسن امام سلمہٗ کے خط سے اصل وجہ کھاد کے کام کے سردست بند کر دینے کی معلوم ہوئی ہے۔ یہ وجہ ایسی ہے کہ جب آپ اور بابو لال چند صاحب اس وجہ سے واقف ہو جائیں گے تو عزیز موصوف کی اس کارروائی کو آپ لوگ بہت پسند کریں گے۔

اگر فرصت ملے تو مجھے دیکھنے کے لئے ڈہری ضرور آئیگا۔

ابھی تک میرے مکان میں چوہوں کے مرنے پر بھی خیریت ہے اور امید ہوتی ہے کہ یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی خیریت قائم رہیگی۔ فقط والتسلیم۔ بابو لال چند صاحب کی خدمت میں میری تسلیم فرمائیے گا۔

دعا گو

امداد امام اثر عفی عنہ

———(۴)———

ڈہری لب سون

مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۳ء

عزیز جانم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ بعد دعائے خیر عرض ہے کہ بخیریت ہوں اور خیریت کا طالب۔

بابو لال چند صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ بتقریب اعدا طبیعت آپ کی ناساز ہو گئی ہے۔ موصوف کی تحریر سے ظاہر ہوا کہ آپ کو بخار آ گیا ہے۔ حقیقت حال سے مطلع فرمائیں۔ نہیں معلوم کہ علاج کس سلسلہ سے کیا جاتا ہے۔ اپنی خیریت سے مطلع فرماتے رہیئے کہ رفع تعلق ہوتا رہے۔

اب ہم بہت اچھے ہیں۔ ڈہری کی لطافت آب و ہوا کی بدولت میرے مزاج کی اصلاح بہت جلد ہو گئی۔ فقط والتسلیم

دعا گو

امداد امام اثر عفی عنہ

———(۵)———

آنگلہ۔

مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء

سہ آپ نے ۱۷ویں اپریل ۱۹۳۲ء کو صبح کے وقت پٹنہ میں انتقال کیا اور اپنی وصیت کے مطابق اپنی زمینداری موضع وربن بانفیوں پلامون میں جہاں حسین آباد سے تقریباً ڈیڑھ میل دور جہاں سمنٹ فیکٹری کے قریب دفن ہوئے جہاں آپ کے مزار کا گنبد دنیا کی بے ثباتی کو عبرت اپنی زبان حال سے پڑھتا ہوا دور سے نظر آتا ہے۔ وفقانا ہم۔

عزیز جانم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ بعد دعائے خیر عرض ہے کہ میری آنکھیں جوش کر آئی ہیں۔ بڑی مشکل سے یہ کارڈ مبارکباد کا آپ کو ہم لکھ رہے ہیں۔ یہی حال سب لڑکوں کا ہے جو آشوب چشم سے سب کے سب بہت پریشان ہیں۔ بہرحال طاہر سلمہ کی کامیابی سے عجب فرحت دل کو نصیب ہوئی ہے۔ خدائے تعالیٰ عزیز موصوف کو یہ کامیابی مبارک فرمائے۔ یہ کامیابی مبارک آپ کو بھی ہو اور ہم تمام لوگوں کو فقط والتسلیم

دعاگو امداد امام اثر عفی عنہ

یہاں بارش کی صورت اچھی ہے فقط۔

(۶)

آبگلہ — مورخہ بیسویں اگست ۱۹۲۵ء

عزیز جانم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ بعد دعائے خیر عرض ہے کہ ہم ان دنوں اپنی اور اپنے لڑکوں کی علالت سے نہایت پریشان رہے ہیں۔ ہم اب تک صحیح نہیں ہوئے ہیں۔ یہی حال حسین امام سلمہ کے سوا اور لڑکوں کا بھی ہو رہا ہے۔ بشکر اللہ حسین امام سلمہ اب پورے طور پر صحیح ہیں۔ گیا اور اطراف گیا میں ہر طرح کے بخار کی کثرت دیکھی جاتی ہے۔ ہم بانکی پور جانے کا قصد رکھتے ہیں جس وقت ہم کو یہاں کے انتشارات سے فرصت ہو جائیگی جائیں گے۔

حسن امام سلمہ کو ان دنوں ہجوم مشاغل رہا ہے۔ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ موصوف نے جو ابھی تک آپ کے خط کا جواب نہیں دیا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کا دوسرا خط اثر پیدا کرے۔ بہتر ہوتا کہ آپ ایک یا دو دن کے لئے بانکی پور چلے جاتے۔

سرکار اینڈ کو کا انداز اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ معاملہ گرانٹ کا طے پا جائے۔
عزیزم طاہر سلمہ کی نسبت کچھ نہیں معلوم ہوا کہ کمشنر صاحب بہادر نے کیا کیا۔ سخت تعلق خاطر دامن گیر ہے۔ گرانٹ کے ذریعہ کام چلے۔ فقط والتسلیم

دعاگو امداد امام اثر عفی عنہ

(۷)

بانکی پور۔ کوٹھی جعفر امام سلمہ — مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۲۶ء

عزیز جانم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ بعد دعائے خیر عرض ہے کہ ہم اپنی ضرورتوں سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں مگر امید ہوتی ہے کہ دو تین دن میں اپنے کاموں سے فرصت ہو جائے اور کل صبح کی گاڑی سے ہم آبگلہ کو واپس جا سکیں۔
نہیں معلوم کہ سرکار اینڈ کو نے کوئی خط ان دنوں امید افزا آپ کو لکھا ہے یا نہیں۔ حقیقت حال سے مطلع فرمائیگا۔

---

۱ یہ بھی پروفیسر طاہر رضوی شعبہ فارسی پریسیڈنسی کالج کلکتہ کے بی۔ اے پاس کرنے کے سلسلے میں نواب صاحب نے جو مبارکباد دی تھی تحریر فرمائی تھی۔ اس لڑکے نے ساڑھے نو سال کی عمر میں حضرت اثر کی زندگی ہی میں انتقال کیا۔ اتنی قلیل عمر میں اس نے بعض علمی ترقی حاصل کر لی تھی۔ نعوذ ... سعادت حاصل کر لیا تھا کہ حضرت اثر کے پوتے اور احباب ... کہا کرتے تھے۔ (رضا قاسم)

گزارشات کی فروخت میں پوری کوشش فرمائیے۔ ہم بھی اس کی فروخت میں کوشاں ہیں۔ اگر فروخت کا معاملہ طے پا گیا تو عزیزم طاہر سلمہ کے معاملات کے انجام میں کوئی تردد لاحق نہ ہوگا۔ سب کام کا انجام روپیہ کی موجودگی پر ہے۔ کچھ نہیں معلوم ہوا کہ کمشنر صاحب بہادر نے میرا خط پا کر کیا کارروائی اختیار فرمائی۔ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ عزیز موصوف رانچی گئے یا نہیں۔ اگر گئے تو جو کیفیت گزری اس سے جلد مطلع فرمائیے۔

یہاں بہر صورت خیریت ہے۔ فقط والتسلیم

دعاگو امداد امام اثرؔ عفی عنہ

———————(۸)———————

آئیگلہ۔ ڈاکخانہ بتیا دگنج۔ ضلع گیا۔

مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء

عزیز جانم سلکم اللہ تعالیٰ۔ بعد دعائے خیر واضح ہو کہ بخیریت ہوں اور خیریت کا طالب۔

اور محبت نامہ نے مسرت تسلی بخشی۔ میں امید کرتا ہوں کہ اب آپ تمام تر بفضلہ تعالیٰ بخیر ہو گئے۔ زکام و بخار کی اس دیار میں بھی کثرت رہی ہے۔ اب بفضلہ تعالیٰ یہاں بھی سب کو صحت نصیب ہو گئی ہے جس امام سلمہ ابیلون سے واپس آ گئے ہیں مگر امر معلوم کی نسبت ابھی تک مجھے دریافت حقیقت کی صورت پیدا نہیں ہو سکی ہے۔ عنقریب ہم بانکی پور جانے والے ہیں وہاں جو امور ہم پر روشن ہونگے ان سے آپ کو اطلاع دیں گے۔ دلالان کلکتہ پر رحمت خدا کی - لاحول ثم لاحول۔

عزیزم طاہر سلمہ کی خیریت سے مطلع فرمائیگا۔ کہ اب موصوف کس شغل میں ہیں۔ یہاں بہر صورت خیریت ہے۔ میرے متعلقین سبھی سب بخیریت ہیں۔

امسال بارش کا سلسلہ بھی نہیں رہا۔ مگر ہتھیا کے کم برسنے کے باعث اکثر مقامات میں پانی کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ اندرون ضلع گیا کی آب و ہوا ابھی تک بر سر اعتدال ہے۔

عزیزوں کو دعا۔ فقط والتسلیم

دعاگو امداد امام اثرؔ عفی عنہ

(سید رضا قاسم)

جنوری ۱۹۲۶ء

عکس مکتوب ڈاکٹر سر اقبال مرحوم بنام مولانا مسعود عالم ندوی

۲۸ / جولائی ۳۷ء

مخدومی السلام علیکم

کتاب رسید کی موصول ہو گئی۔ بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے

مولانا الندوی کی خدمت میں علیحدہ عریضہ لکھ دیا ہے

مولانا سید سلیمان ندوی کی علالت کی خبر سے

بہت تردد ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو صحت عاجل عنایت فرمائے

میری طرف سے ان کی خدمت میں عرض کیجیے کہ آپ کی ذات

اس وقت ملک ہندوستان میں نہایت نادر الوجود ہستی ہے۔ خدا ان

ان کو دیر تک زندہ رکھے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

بیادِ رفتہ

الہ آباد۔
۲۸ اگست ۱۹۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ میرے پاس ایک عید کارڈ آیا۔
ڈاک خانہ کی مہر نہ پڑھ سکا۔ شاید آپ کا مرسلہ ہے۔ بہرحال آپ کی محبت و عنایت کا شکر گزار رہتا ہوں۔

آپ کا بہمہ مشتاق اکبر حسین

الہ آباد۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء

عزیز مکرم محب و قدر افزائے اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔
تیرہ دن زیادہ دہلی رہا، طبیعت اچھی رہی۔ الہ آباد واپس آیا۔ انشاء اللہ بشرط زندگی و توانائی جلد دہلی جاؤں گا۔
آپ کو اللہ نے قلب سلیم عطا فرمایا ہے۔ صاحب ذوق بنایا ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھ پر عنایت فرماتے ہیں۔ ادھر گذر ہو تو ملیے گا۔ اپنا مشتاق سمجھیے۔

اکبر حسین

الہ آباد عشرت منزل۔ ۱۲ جولائی ۱۹۲۱ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بہت علیل ہوں، دل و دماغ بلکہ تمام اعضاء بے قابو ہیں۔ نقل و حرکت میں تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن زندگی نے ہنوز پیچھا نہیں چھوڑا۔ میں نے غالباً آپ کے خط کا جواب دیا تھا۔ کتاب خلافت کو اب دیکھنے کی نوبت آئی۔ سرسری نظر سے کچھ دیکھا۔ داد تحقیق و داد فرزانگی دیتا ہوں۔ خدا قبول کرے۔ لٹریچر تو مالا مال ہے۔ خوشی ہوتی اگر آپ سے ملاقات ہو جاتی۔ ہوں۔ تبادلہ خیالات ہو۔ اگرچہ میں اب زیادہ تر دوسرے عالم میں ہوں سوا...... نظر ہے۔ لیکن آپ بھی تو اہل دل اور طالب حقیقت ہیں۔ خانہ ویرانی اور علالت نے دنیا سے بالکل دل برداشتہ کر رکھا ہے۔

آپ کا دعاگو۔ اکبر حسین

الہ آباد ۹ اگست ۱۹۲۱ء

عزیز من سلمہ ۔ واپسی پر آپ سے بہت ملنا نہ ہوا۔ اپنی خیریت لکھیے۔ دل لگا ہوا ہے۔ خدا آپ کو خوش اور مطمئن رکھے۔ بچوں کو جب آئے تھے، دو دن رہ کر دہلی واپس گئے۔ میرا ارادہ عنقریب لکھنؤ کا ہے۔ عجیب کشمکش میں ہوں۔ عمر اور علالت نے معذور کر رکھا ہے۔ خیالات منتشر، دل بیزار، جسم افسردہ۔ اللہ رحم کرے۔

دعاگو
اکبر حسین

تمت ۳۱

نواب خیال مرحوم کے چند خطوط
بنام
حضرت حمید عظیم آبادی

ہم جناب نسیم گورگانوی کے شکر گذار ہیں کہ موصوف نے نواب نصیر حسین خاں صاحب خیال مرحوم کے چند خطوط جو جناب حمید عظیم آبادی کے نام ہیں، نقل کرکے ہمیں اشاعت کے لیے بھیجے۔ (ندیم[1])

کلکتہ - ۳۰ نومبر ۳۲ء

عزیز الاشان - کارڈ نے خوش وقت کیا - سلامت رہو - گورنمنٹ کی ایک مقرر کردہ کمیٹی کی ممبری میں نے قبول کرلی ہے - ۱۵ نومبر سے اس میں مشغول ہوں - یہ کام کلکتہ میں غالباً آئندہ جنوری ۳۳ء تک رہے گا - مجھے دم مارنے کی فرصت نہیں ہے - مشکل سے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں -

رباعیوں کے متعلق میں اتوار کو خط لکھوں گا - جواب آپ کو بھیجدوں گا مجھے اتنی فرصت نہیں کہ پھر رباعیوں پر نظر ڈالوں - آپ اپنے تصفیہ اور اپنی نظر سے کام لیجئے - اتنا کہدینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے استاد مرحوم سوا غزل کے اور کسی صنفِ نظم کے مالک نہ تھے - اس لئے ممکن ہو تو اُن کی کوئی چیز از قسم مثنوی و رباعیات و مسدس وغیرہ شائع ہی نہ کی جائے - اور یہ ممکن نہ ہو تو پھر بہت احتیاط و درسخت گیری کے بعد اُن کا کلام چھاپا جائے - مرحوم کا مذاق نظم و شاعری بہت بلند اور اتنا ارفع ہے کہ خواجہ آتش کے سوا دوسرا اُن کے کلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا - مگر اُن کی زبان گو بہاریوں میں افصح ہے لیکن دوم درجہ کی اور ایک خاص زبان ہے - اور اکثر جگہ عام شاہراہ سے الگ اور بعض جگہ غلط! زبان کے متعلق اُن کی حالت میرزا غالب کی سی ہے - یعنی مرزا کی اردو بھی خاص قسم کی اور دہلویوں کی نہیں بلکہ آگرہ والوں کی بھی اور خاص اپنی زبان ہے نہ کہ ٹکسالی - غالب

---

[1] ندیم یعنی حضرت شاد عظیم آبادی مرحوم۔

بہ حیثیت زبان ہر جگہ مستند اور قابلِ تقلید نہیں ہیں۔ مگر مذاق اُن کا لائقِ تسلیم ہے۔ برخلاف اس کے ذوق ہیں۔ اُن کا مذاقِ
شاعری گو ناقابلِ توجہ ہے۔ لیکن اُن کی زبان ٹکسالی اور تتبع کے قابل ہے۔ جو لوگ نظر نہیں رکھتے وہ ان نکتوں کو نہیں سمجھ سکتے
مگر آپ کو سمجھنا اور ان پر نظر رکھنا چاہیے۔

حضرت شاہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی زبان بہاری اردو ہی زبان ہے جو ہمارے صوبہ میں عام طور پر بولی جاتی ہے۔
اس پر ایراد فضول ہے۔ وہ فصحائے بہار میں سے تھے اس لئے باہر والوں کو اُن کی زبان پر اعتراض کا حق نہیں۔ [illegible] اس
صوبہ (بہار) والے اگر اُن کی تقلید کریں تو عیب نہیں۔ ہندوستان بھر کی اردو یکساں نہیں ہو سکتی۔ لہجہ وغیرہ کے علاوہ الفاظ
و محاورات کا فرق اس ملک کے مختلف صوبوں اور شہروں میں ہمیشہ رہے گا۔ ہاں! جو الفاظ و محاورات عام ہیں۔ اس میں
فرق ہو یا کثرت ہوتی کی جائے تو غلط ہے۔ اتنا خیال رکھنا چاہیے اور بس۔ اگر جناب شاہ صاحب مرحوم کسی وقت کے بزرگ
کے لقب سے یاد کر کے مثال دئے جائیں تو موجودہ پٹنہ والوں کو کیا کہا جائے گا؟ پٹنہ ہی کی اس کتاب کو دیکھئے جس میں
پٹنہ کے حضرات کے حالات شائع ہوئے ہیں۔ پھر گذری کے اس خطبۂ صدارت کو پڑھئے جو سنہ [illegible] کی شیعہ کانفرنس میں پڑھا
گیا۔ ان دونوں چیزوں کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ یہ لوگ تو آخر شہری کے ہیں۔ ایک دو نہیں "ہ" "ا" اگر عمداً
کریں یا صحیح لکھ لیں تو اُن سے کسی صوبہ و شہر کی عام زبان نہ درست سمجھی جا سکتی اور نہ وہ زبان اس جگہ کی کہی جا سکتی ہے۔
رہی مرحوم علی سجاد یا ہماری زبان وہ نہ بہاری ہے اور نہ عظیم آبادی۔ اور میں تو نہ دلی والوں کی تقلید کرتا ہوں اور نہ
لکھنؤ والوں کی۔ اور اسے سب جانتے ہیں۔ ہمارے خلاف کچھ نہ کہنے کے وجوہات(؟) اور ہیں ——— ہماری کسی تحریر کو پیش
کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ عظیم آبادی زبان ہے "غلط" ہوگا۔ موجودہ دلی تو بہ حیثیت زبان اب کوئی درجہ نہیں رکھتی
مگر لکھنؤ اب تک فصحا کا مرکز ہے۔ میں نے وہاں کے بھرے جلسوں میں ہانکے پکارے کہہ دیا ہے کہ اس لفظ یا اس محاورہ
آپ حضرات یوں بولتے ہیں لیکن ہماری زبان پر اس طرح ہے! کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ خیر یہ بات اور ہے۔ اور ہر آدمی کو ایسی
جرأت مناسب نہیں۔

رباعیوں کے ساتھ کسی تمہید وغیرہ کی ضرورت ہوگی۔ لکھئے یا لکھوائیے۔ مجھے تو اس کی فرصت نہیں۔ ہاں آپ کے
استاذ مرحوم کا کلام عجیب حضرات کے دستِ تصرف میں ہے۔ جو چیزیں شائع کی جاتی ہیں۔ افسوس کہ وہ اہلِ نظر سے دور
رکھی جاتی ہیں۔ مگر یہ قصور خود اُن مرحوم کا ہے۔ اچھے ہاتھوں میں وہ اپنی چیز دے جاتے تو مرنے کے بعد یہ فضیحت اُن کی
نہ ہوتی! ہم آپ کیا کر سکتے ہیں۔

ہمارے شبو سلمہٗ کو دعا و سلام کہہ دیجئے گا۔ بڑے دنوں میں مجھے ایک ہفتہ کی فرصت ملے گی۔ [illegible] آپ کے
پٹنہ آنا مگر وہاں کی زمین آسمان سے میں گھبراتا ہوں۔ خط لکھا کیجئے۔ یہی ایک صورت ملاقات ہے۔ [illegible] بچوں کو دعا ہیں۔

والسلام مع الدعا [illegible]

(۳)

کلکتہ - ۱۹ اگست ۱۹۴۳ء

عزیزم الاشان - آپکا خط کل آٹھ کو ملا - مقدمۂ دیوان کے متعلق جو آپ نے لکھا حق ہے - اگست کے ندیم میں بھی حضرت کی شاعری کی نسبت یہ جملہ نظر سے گذرا "ان کی غزلیں، تصوف اور الہیات کا وہ چشمہ ہیں جس کی سوت حافظ شیراز کے رکن آباد سے ملی ہوئی نظر آتی ہے"۔ اب آپ کے سے جوان ہمت اس دعوی کے بھاری پتھر کو اٹھائیں اور اسے سچ کر دکھائیں ندیم میں آپ کا قطعۂ تاریخ ابھی بھی نہیں چھپا - میں نے آپ کو لکھا تھا کہ قطعہ براہ راست اخبار کو بھیج دیجئے - مگر اس کے عوض پھر آپ نے مجھے بھیجدیا - خیر - اب اڈیٹر صاحب جس روز آئیں گے انہیں دیدوں گا -

مجھے فرصت بہت کم ملتی ہے - جواب خط جو ایک فرض ہے کے سوا کوئی دوسرا بالائی کام نہیں کرتا - اور یہ بھی زیادہ تر اس وجہ سے کہ اسی پر زندگی رہ گئی ہے - آپ کا خط بھی میری دوا ہو جاتا ہے اس نسخہ کو اب نہ بھولئے - شہاب کا خدا کرے جلد کوئی معقول سامان ہو جائے - انہیں اور نواب محمود کو دعائیں - اور مبارک سلمہ کو پیار -

والسلام مع الاکرام
تپاں

جولائی ۱۹۳۲ء

نواب نصیر حسین خاں خیال مرحوم کے چند مکاتب

بنام

مولانا شایق احمد عثمانی، بانی روزنامہ "عصر جدید" کلکتہ

کلکتہ۔ ۲۳ جنوری ۳۴ء

شایق! مفصل خط کا جواب دینے والا تھا کہ ۱۵ کو یہ دھماکا ہوا۔ آہ و واویلا کی آوازوں نے منتشر کردیا۔ کوشش کی کہ آپ کا احوال معلوم ہو۔ مگر (۱) صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہوتی آج نو دن بعد اب آپ سے آپ کی خیریت پوچھتا ہوں جلد سنائیے۔ کیا بیتی؟ مظفرپور، بہار کی ناک تھا، وہ ناک کٹ گئی۔ مونگیر جو اس صوبہ کا خانہ باغ تھا، وہ اجڑ گیا، بعا م پور تاتاریوں کا ایک یادگار تھا۔ نہ معلوم وہ تاراجی سے کیونکر بچا۔ عظیم آباد ایک صدمے سے برباد تھا، اس جھٹکے نے اس کے اور انجر پنجر ڈھیلے کردئے۔ نئے شہر سے ہم کو کیا۔ پرانا شہر زمین میں مل گیا! میرا گھر بھی جو دو سو سال سے وہاں کھڑا تھا، بیٹھ گیا! اجمل ۲ کو مظفرپور دوڑے۔ سنا کہ (خدا نہ کرے) اُن کے والد رخصت ہوگئے۔ ہوسکے تو ذرا تفصیل سے ادھر کا حال لکھیے اور یہ لکھیے کہ کلکتہ کب کا ارادہ ہے۔ اب کے آئیے تو مجھ سے اچھی طرح ملئے۔ جواب کا منتظر رہوں گا۔

بہار کو با امن نہ سمجھیے۔ مادہ نکلا نہیں، زخم صرف پھوٹا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اور جھٹکے آئیں۔

خیال

کلکتہ ۲ فروری ۳۴ء

شایق۔ امید تھی کہ بھاگل پور پہنچنے کی رسید آئے گی۔ مگر انتظار ہی انتظار رہا۔ خیر اب بھیجیے۔ مارچ کی کس تاریخ

لے بہار کے زلزلے کی طرف اشارہ ہے جس کے جھٹکے ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو تین بجے دن کے وقت محسوس کئے گئے۔ (محمود شوکت عثمانی)

تک کلکتہ کا قصد ہے، ۱۸ جنوری کے بعد سے میرا دل چھوٹا سا ہو گیا ہے۔ احباب کی خیریت سننے میں ذرا دیر ہوئی اور وہ کمبخت لگا اچھلنے۔ اس مرض کو کیوں کر دباؤں؟ خدا کرے آپ کے یہاں سب خیریت ہو۔

خیال

کلکتہ۔ ۲۰ اکتوبر ۴۴ء

شائق۔ خط لکھنے سے تو آپ کو پرہیز تھا ہی اب کلکتہ آنے سے بھی پرہیز ہو گیا ہے! آپ کی ایسی سرد مہریوں کا اثر آپکے دفتر پر بھی ہے (۱) صاحب تو خیر میاں (ب) آتک طوفانِ بے تمیزی بنے ہوئے ہیں۔ یہاں کے ایک تعلیمی افسر نے آپ کی کتاب مانگی تھی۔ اس کے لئے (۱) صاحب کو خط پر خط لکھے، آدمی دوڑائے، انھوں نے وعدے کئے۔ مگر ہیں مسلمان، ایفائے کیونکر کرتے! میاں (ب) ہوا میں کڑتے کہونکر جاتے۔ خیر ایک رونا تھا لگے۔ کتاب کیلئے ان سے عرض کی گئی۔ وہی وعدہ، اور مسلمانی! غرض میرا نہیں آپ کا نقصان ہوا۔ اور اسی طرح اور ایسے ہی حضرات کی بدولت آپ چکر میں مبتلا رہے، اور شاید ہیں، خیر، اور کیا لکھوں۔

میں آج پٹنہ جاتا ہوں، وہاں سے الہ آباد کا ارادہ ہے، پھر علی گڈھ، وہاں سے دلی۔ بعد کی خبر نہیں کہاں جاؤنگا اور کیا ہوگا، پٹنہ کا پتہ:۔ C/O سید مجتبیٰ حسین خاں صاحب حاجی گنج۔ پٹنہ سٹی۔ خدا کرے آپ اچھے ہوں، خدا حافظ پٹنہ میں ہفتہ تک قیام ہوگا، وہاں کے پتہ پر، جہاں رہوں گا مجھے خطوط ملیں گے،

خیال

ملہ اتفاق کی بات یہ ہے کہ مرحوم دلی جا کر سخت بیمار ہوئے، وہاں سے نازک حالت میں علی گڈھ لائے گئے، اور وہیں انتقال فرمایا۔ (محمود شوکت عثمانی)

سلہ اس مکتوب میں دو حضرات کے نام آئے ہیں (ا ب) نہایت دبلے پتلے آدمی ہیں اور بہت تیز چلتے ہیں۔ (محمود شوکت عثمانی)

مکتوباتِ خیال

(۱)

کلکتہ - ۱۱ اگست ۴۳ء

عزیز الکرم - میں منتظر ہی تھا - پنڈت کیفی کا مضمون کے لیے شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں - بلکہ مجھے آپکا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہماری زبان کا دکھڑا انگریز کی زبان سے سنایا گیا - اسپر نوٹ تو قابل تعریف ہے ' مگر ایسے الفاظ میں کہ ہماری طرف شبہ ہو سکتا ہے - اور نوٹ بھی مزے کے ہیں - اس دفعہ کا پرچہ عجیب ہے - رفتی کی اُلٹی آنتوں سے پیٹ میں بل ڈالا - جلوۂ سوز کی زبان میں ایک کمی ہے - سو اگر واقعی خالص بہاری ہیں تو میری طرف سے انھیں مبارکباد دیجئے - یہ بھی مزے کی بات ہے - یہ کاکو والے غضب کے ہیں - رشتۂ وشرق پر لکھنے والے صاحب اگر کچھ زیادہ کہتے تو لطف بڑھتا - سومرہ کے متعلق نئی تحقیقات نے اس مقام کی منطق بدل دی ہے اور ۱۲ء کی وہاں کی کھدائی نے تاریخ کا ایک نیا باب کھولا ہے - مگر ان بچارے مولویوں کو ان باتوں کی کیا خبر - اور پھر تاریخ سے انھیں کیا واسطہ - یہ حضرات اپنے دائرے کے اندر رہیں تو بہتر ورنہ پکڑے جائیں گے -

آپ کے مقدرے نے مجھے بھی پریشان کر دیا ہے - خدا ہماری آپکی اس پریشانی کو جلد دور کرے - - - - - - - - - - - - نہ معلوم ہمارے بہاریوں نے اپنی زبان کا ذکر کن تیوروں سے سنا ہوگا [illegible]

والسلام

خیال

(۲)

کلکتہ - ۲۳ مارچ ۴۴ء

مکرمی انجم صاحب - 'ندیم' مارچ نمبر ملا - ممنون ہوا جس محبت و یگانیت سے آپ نے مجھے یاد کیا ہے اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوں - آپ نے جو تجویز پیش کی وہ کتنی ہی اہم و ضروری کیوں نہ ہو مگر بہار کے حضرات کا اُس کی طرف متوجہ ہونا خیلے دشوار ہے - اسلئے کہ گو 'ندیم' عرصہ کے بعد ایک مذاق اُس صوبہ کو دے رہا ہے مگر ابھی وہاں اُردو سے بہت دوری ہے اور جن کے ہاتھوں میں اسوقت بہار کی باگ ہے وہ علم و ادب کا ذوق نہیں رکھتے اور زبان کے مسئلہ کو نہیں سمجھتے ہیں - پھر کیا امید کی جائے کہ اُردو کے متعلق وہاں آپکو وہ کامیابی حاصل ہو سکے گی جس کے آپ مستحق ہیں - میں تو میں مایوس ہوں - اور اسی وجہ سے اب تک پٹنہ نہیں گیا کہ اس سفر کو فضول سمجھا -

'مغل اور اُردو' کی صوبہ بہار میں اتنی کم اشاعت تعجب خیز نہیں - ایک خاص گروہ کے سوا وہاں اب تک اپنی زبان سے اسی طرح بے پروائی ہے جس طرح اور ضروری چیزوں سے - مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر 'ندیم' زندہ رہا تو آج نہ سہی کل وہاں کے مذاق میں تبدیلی ہو جائیگی لکھنے والے پیدا ہو رہے ہیں - اور 'ندیم' کے مضامین بتاتے ہیں کہ 'بہار' کے مذاق و زبان میں بہت فرق ہو گیا ہے - اور یہ محض آپ کی فکر و توجہ کا نتیجہ ہے -

گذشتہ نومبر میں 'شاہنامہ و فردوسی' پر ہمارا تبصرہ کلکتہ کے میوزیم میں پڑھا گیا تھا - 'ہند جدید' نے شاہنامہ کا ہفتہ منایا اور اس مضمون کو ۸ دنوں تک مسلسل شائع کیا - ضرورت ہے کہ وہ تبصرہ بااقساط 'ندیم' میں بھی شائع کیا جائے -

اگر آپ مناسب سمجھیں تو 'مغل اور اُردو' کے ابواب بھی 'ندیم' میں شائع کریں - شاید اس سے اہل بہار کو اُردو کی طرف توجہ ہو جائے -

آپ کلکتہ آئے مگر افسوس ہے کہ ہماری آپ کی ملاقات اتنی مختصر رہی کہ دل سیر نہ ہوا - خدا جانے پھر کب ملاقات کا موقع ملے گا -

میں پا بہ رکاب ہوں - سواری تیار ہے - نہ معلوم کس روز باگ اٹھے اور اس منزل سے دوسری منزل میں چلا جاؤں -

خدا کرے آپ مع الخیر ہوں - جب فرصت ملے خط لکھا کیجئے -

والسلام مع الاکرام

خیال

فروری ۳۵ء

مکتوباتِ خیال

(۳)

کلکتہ: تیسری اپریل ۴۴ء

مکرم و محترم۔ سلامہائے فراواں۔ محبت نامہ نے خوش وقت کیا۔ اس بیچ میں مجھے 'ندیم' کے مطالعہ کا موقع مل گیا۔ 'دلچسپ مغالطہ' اور 'حمیدہ' ندیم کے یہ دو مضامین ایک طرف اور ہندوستان کے مختلف رسالوں کے مضامین ایک طرف۔ بہار میں اگر ایسے لکھنے والے موجود ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کا صوبہ اردو نثر نگاری میں ملک کے کسی صوبہ سے کمتر سمجھا جائے۔ نوٹوں کی تحریر میں آپ کے قلم کا جواب مشکل ہے۔ زبان کے متعلق ہر مہینہ آپ لکھتے ہیں اور ہمیشہ ایک نئی بات پیدا کر دیتے ہیں۔ دماغ و قلم کی اس سے زیادہ اور کیا طاقت ہو سکتی ہے۔ حق یہ ہے کہ آپ نے بہار کو ایک صحیح مذاق دیا اور دے رہے ہیں۔ آپ سلامت رہیں اور آپ کے سایہ میں 'ندیم' بھی سلامت رہے۔ آمین!

بے شک چھپے ہوئے مضامین کو پھر چھاپنا رسالہ کی وقعت کو گھٹاتا ہے۔ مگر یہ بات بھی زیادہ تر مضمون اور مضمون نگار سے تعلق رکھتی ہے۔ ہاں تبصرہ برشاہنامہ بڑا مضمون ہے۔ اس پر ملک کے اکثر رسالے لے چھاپ رہے ہیں۔ لکھنؤ کے 'خیابان' نے بھی یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس لیے اگر اس طرف آپ متوجہ ہوں تو کیا عجب ہے؟ 'داستان اردو' میں ایک باب ہندو اہل قلم کا ہے۔ اگر آپ اسے چھاپنا چاہیں تو بھیج دوں۔ مگر یہ باب ذرا لمبا ہے۔ 'ندیم' کا آدھا حصہ اس کے نذر ہو جائے گا۔ اور ایسی چیزیں باقی آئندہ سے بے مزا ہو جاتی ہیں۔ یہ مضمون ایک حد تک نیا ہے اور اگر نیا نہیں تو کسی ایک جگہ ایسی چیز کا ملنا مشکل ہے۔

لائق رسالوں میں بہتر اور کسی مشہور اہل قلم کے مضمون کو اول جگہ دی جاتی ہے اسے 'بلیس آف آنر' کہتے ہیں۔ وہاں اس کی قید اور بڑی احتیاط کی جاتی ہے۔ 'ندیم' میں بھی اس کا خیال کیا جائے تو بہتر ہو۔

'دلچسپ مغالطہ' کی سی 'کومیڈی'، اور 'حمیدہ' کی سی 'ٹریجڈی'، کو آپ کے رسالہ میں پہلی جگہ ملنی چاہیے تھی۔

مجھے امید نہیں کہ 'سرکار بہار' اردو کے لیے کچھ کرے گی۔ بہانے موجود تھے اور اب تو زلزلہ کا بہانہ سب پر بالا ہے۔ بہرکیف کوشش کیجیے، دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ آپ اس کام کے لیے مجھے جب بلائیں آسکتا ہوں۔ اس وقت پٹنہ جانے سے بہتر رانچی جانا ہوگا۔ آپ وہاں بھی آسکتے ہیں۔ ہمارے دماغ میں اسکیم ہے۔ آپ کے سے صاحب فکر غالباً اُسے پسند کریں گے۔

خط مجھے لکھا کیجیے۔ یہ نصف ملاقات تو ہے ہی، اس کے ذریعہ سے معاملات بھی طے ہو جاتے ہیں۔

خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

والسلام مع الاکرام۔ خیالؔ

(ندیم: مارچ ۱۹۳۵ء)

(۴)

رانچی - ۱۴ مئی ۴۳ء

عزیز الکرم - ۸ تاریخ کے گرامی نامے نے ممنون کیا۔ دواؤں کا پارسل اگر اس کوٹھی تک پہونچتا تو مجھے ضرور ملتا۔ خیر اب زحمت نہ کیجئے۔
میں نے سبیل کرلی الحمدللہ دوائیں مل گئیں۔

مجھے بیماری سے نہیں، اس ملک سے، اور مسلمانوں ہی سے نہیں، ہندوؤں سے بھی ناامیدی ہے کہ وہ ہمارے درد کا درمان
ہوسکیں! انھوں نے اب تک اس ملک کے اصلی مرض کو نہ سمجھا اس لئے اُسے اُلٹی دوائیں دی گئیں اور دی جارہی ہیں - قومیں جب اپنی زبانیں
بھول جاتی ہیں تو پھر اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہوسکتیں۔ یہی حال ہمارا ہے۔ اس سو برس کے اندر ہم نے خود کو کھو دیا۔ ۱۸۳۵ء سے باضابطہ
طور پر یہاں انگریزی رائج کی گئی۔ ہمارے علوم و زبان کو کچلا گیا - اور ولایت سے وہ مال ہم تک پہونچایا گیا جو ہمارے مزاج کے موافق
نہ تھا۔ غلط دوا جسم وجان کی دشمن ہے۔ سو برس کے اس لگاتار "انجکشن" نے ہمارا خون پانی کردیا۔ اب ہم میں رہا کیا جو ہم استادہ
ہوسکیں؟ ۱۹۱۶ء میں اس مرض کو بتا دیا گیا اور اُسکا درمان تجویز کردیا گیا تھا۔ مگر تجربہ نے ثابت کیا کہ ملک و قوم اب تک شاعر مزاج
ہے۔ ایک نوری کیف حاصل ہوجانے کے سوا اور غرض نہیں رکھتی۔ سترہ سال کے بعد بھی یہی نتیجہ ظاہر ہوا۔ اردو کانفرنس
(۱۹۳۳ء) کے ایڈریس کو جس طرح اسوقت غلط سمجھا گیا تھا، اُسی طرح اسوقت بھی مثل اور اردو کو اور نظر سے دیکھا گیا۔ اور امید نہیں کہ اسے صحیح
طور پر سمجھا جاسکے۔ وجہ؟ موجودہ تعلیم نے ہمارے قوائے عقلی کو شل کردیا ہے۔ مفلوج دماغ کیا کرسکتا ہے؟ اس مسئلہ کو ذرا وضاحت سے
مثل اور اردو کے اخیر باب میں بیان کردیا گیا ہے۔ مگر حاصل؟ مجھے بہت شبہ ہے کہ سو میں ایک نے بھی اس پر نظر کی۔ جہاں دماغ ہی بیدار
نہ ہوں، وہاں طبیب کیونکر پیدا ہوسکتے ہیں؟! یاد رکھنا چاہئے کہ "غلامی" اصل ذہنیت کی غلامی ہے۔ قومیں مفتوح ہوتی اور آزاد بھی
ہوجاتی ہیں۔ مگر اگر انکی ذہنیت مغلوب ہوگئی تو وہ کبھی آزاد نہیں ہوسکتیں۔ عربوں نے ایران کو فتح کیا۔ مگر چونکہ ایرانیوں نے اپنی زبان کو
مفتوح نہ ہونے دیا اس لئے وہ حقیقی طور پر کبھی مغلوب نہ ہوئے۔ بلکہ دو صدی کے اندر وہ اپنے فاتحین پر قبضہ کر بیٹھے۔ اور پھر اپنے پیروں پر کھڑے
ہوگئے۔ شاہنامہ پر میں نے وہ تبصرہ اسی غرض سے کیا تھا کہ قوموں کے عروج و زوال کے سبب کو سمجھا جاسکے۔ اس تبصرہ کو دو ہزار آدمیوں
نے ہماری زبان سے سنا اور اس سے زیادہ حضرات نے اُسے پڑھا۔ لیکن کتنے صاحبوں نے ہمارے مقصد کو سمجھا؟ مجلسوں اور مشاعروں کی
طرح سر بھی دُھنے گئے۔ مگر نتیجہ نہ نکلا۔ دماغوں میں گودے کے عوض جہاں بھوسا بھرا ہو وہاں کچھ نہیں ہوسکتا۔ غرض میں [illegible]
کہ وہ ہمارے جسم وجان کی صحیح غذا ہوسکیں لیکن دماغ تیار نہیں۔ کیا کیا جائے؟ میں نے ۳۵ برس اردو ہی کی نہیں، دماغوں کی خدمت
کی ہے۔ ۱۹۱۲ء میں "عالاؤں کا ماما" ایک مضمون شائع کیا۔ اسمیں فضول شاعروں اور فضول شاعروں کا حال لکھا گیا تھا۔ اس مضمون کے بعد
لوگوں نے یاد کرتے۔ مگر ہماری غرض و غائت کو کوئی نہ سمجھا۔ ۱۹۲۶ء میں ہمارے ملک الشعراء کا سا مضمون اسی مطلب سے نام کیا گیا
لیکن ایک کمزور دماغ رکھنے والی قوم نے صرف اسکی ظاہری خوبیوں پر نظر کی۔ مضمون کی تہ تک نہ پہونچی۔ اسلئے فائدہ نہ اٹھا سکی۔ اپنا تجربہ

کے بعد ہمارا دل اور قلم نہیں اٹھتا کہ کچھ لکھوں - ہماری قوم اس وقت حقیقتاً جس غلامی میں مبتلا ہے وہ اصل ذہنیت کی غلامی ہے اور
جب تک اس غلامی سے نجات نہ ملے ملک آزاد نہیں ہو سکتا - آپ کا وقت کچھ کرنے کا ہے - اس مسئلہ پہ لکھئے اور لکھوائیے - ملک کے اخبار اور رسالے
اور طرف جا رہے ہیں - انکی آواز سے بہت کم فائدہ ہوتا ہے - وہ آج تک ملک کی فطری زبان کو قوم کے دماغ میں جگہ نہ دے سکے - جب تک
کوئی ملک و قوم اپنی زبان کو نہ سراہے - اُس میں وہ طاقت نہیں آسکتی جو قوموں کو سنبھالے رہتی ہے - اس خصوص میں آپکا بہار اور پیچھے ہے -
وہاں اب تک زبان کا کوئی درجہ نہیں ہے - شاعری کرکے اور غزلیں کہہ کر سمجھتے ہیں کہ اُردو صوبہ کی عام زبان ہوجائے گی - یا چند شعر
کے مضامین بہار کو اُردو داں بنا دیں گے - اس ملک میں انگریزی اخبارات و رسائل کی کمی نہیں - اچھی انگریزی لکھنے والے بھی پیدا ہوگئے -
مگر اس سے کیا ملک کی زبان انگریزی ہوجا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں - بہار میں بھی اُردو نظم و نثر کے کچھ اچھے لکھنے والے اگر نکل آئے تو وہ تعریف
کی بات ضرور ہوگی لیکن اس سے وہاں اُردو عام نہ ہوگی - زبانیں اسی وقت آگے بڑھتی اور عام ہوتی ہیں جب وہ صحیح طور پر مدرسوں
میں رائج ہوں اور ضروریات کو پورا کر سکیں - بہار کو مستقل صوبہ بنے ہوئے ۲۰ سال سے زیادہ ہوگیا - زبان کے مسئلہ کے متعلق اس صوبہ نے
اب تک کیا کیا؟ وہاں کے کتنے حضرات نے اس مسئلہ کی اہمیت کو سمجھا؟ اور اگر سمجھا تو انہوں نے آپکو کیا دیا؟ آپکے ہاتھ میں "ندیم"
جیسا پرچہ ہے - آپ ہماری خدائی فوجداروں سے یہ سوال کرسکتے اور اس کے جواب پر اُن حضرات کو بنا اور بگاڑ سکتے
ہیں - جب تک آپ سخت نہ ہوں گے اور خاص اس مسئلہ کو زندگی کا معیار نہ بنائیں گے آپ کوئی خدمت نہیں کرسکتے -

میں ۱۷ یا ۱۹ کو یہاں سے چلا جاؤنگا - کلکتہ میں اگر دو چار دن بھی ٹھہر گیا تو وہ مضمون بھیجدوں گا - ورنہ اُس وقت جبکہ
وہاں بہ اطمینان قیام ہوگا - احباب [illegible] کو ہزاروں درود و سلام -

خیال

اپریل ۳۵ء

(۵)

رانچی - ۲ مئی ۴۴ء

عزیز المکرم! ضرورت مجھے تھی اس لئے سبقت میں نے کی - اُس دن اُدھر آپ صبح کو سدھارے اور اِدھر دوپہر بعد میں نے کارڈ روانہ کیا - گیا میرا خط آپ کے ساتھ پہونچا ہوگا - آج جواب ملنے کی امید تھی - گر سفر کی تکان اور گوتم جی کے شہر کی گرمی جب ذرا دور ہوگی تو آپ مجھے یاد کرسکیں گے -

رانچی اب چنداں گرم نہیں ہے - ابر آیا، مینھ پڑا اور ذرا ٹھنڈک ہوگئی - اس کے ساتھ ملک کے چار طرف سے آندھی آنا بھی شروع ہوگئی - پہلے گاندھی جی آئے - پھر اولے برسے اور منشی صاحب کے گھر میں سب سے زیادہ آپ کا کمرا آصف علی سے بھرا اور نجم صاحب کا وکالت خانہ ڈاکٹر انصاری کا سوراجی دفتر بنا اور عزیز صاحب کے روم پر بھاگلپوری دیپ کا قبضہ ہوگیا - یہ تو خیر - گر میرے یہ سوالیجو کے سوا دوسرا نظر نہیں آتا - لوگ رہتے کہیں اور ہیں لیکن صبح شام ٹن چوب یہیں اڑاتے ہیں - منشی صاحب کے دہنے طائرۂ ہند (مسز سروجنی) اُن کے بعد کلکتہ کے ڈاکٹر بدھن، پھر لکھنؤ کے خلیق الزماں - اس طرح اِردگرد انہیں کا قبضہ اور وہی باغیانہ باتیں! آج دن کو میں نے انہیں ذرا ترمیم کرادی - کھانے کے بعد ہی مشاعرہ شروع ہوگیا - نجم صاحب کو مجبور کرکے انکی 'بہار' والی نظم پڑھوادی - ہماری شاعرہ نے مزا لیا - آہ اور واہ پر صحبت ختم ہوئی - آپ بہت یاد آئے - یہاں رہتے تو لطف رہتا - یہ پارٹی ۵ کو جائے گی تو منشی صاحب سے باتیں ہوسکیں گی -

نیال

(۶)

کلکتہ ۶ جون ۴۳ء

عزیز الکرم دام اشفاقکم ۔ سلام و نیاز

رانچی سے میں نے ایک رجسٹری آپ کی خدمت میں روانہ کی تھی ۔ اُس کا جواب میں نے کلکتہ طلب کیا تھا ۔ یہاں دوسری جون کو آیا ۔ دریافت کیا ۔ معلوم ہوا کہ کوئی خط آپ کا اب تک نہیں پہنچا ہے ! مہربانی کرکے اُس رجسٹری کی فوراً رسید بھجدیجئے ۔ مضمون اگر پسند آیا ہو تو وہ ندیم کے کس نمبر میں اور کس نام سے چھپے گا ؟

شاہنامہ پر تبصرہ نہ ملا ہو تو بھیجدوں ۔ بشرطیکہ واقعی آپ اُسے پڑھیں ۔ اس طرح نہیں ، جس طرح مثل اور اُردو کو پڑھا گیا تھا ۔ میں شاعروں سے بہت بدظن ہوں ۔ یہ حضرات خیالی دنیا کے سوا حقیقی دنیا پر بہت کم نظر کرتے ہیں !

رانچی سے آتے وقت ، سوری میں ٹھہرنے کی نوبت تو نہ آئی ، مگر خاں صاحب قبلہ کی دور سے جھلک دیکھ لی ۔ خدا نے فضل کیا کہ وہ نزدیک نہ آئے ۔ بلا ٹلی !

کلکتہ میں بھی پانی کا کال ہے ، اور گرمی کی ارزانی ۔ مگر گیا کی سی آگ نہیں برستی ۔ ذرا پانی پڑلے تو وعدہ پورا کروں اور کپتان صاحب اور میونسپل صاحب کو چھیڑوں ۔ خط لکھئے ، اور ضرور لکھئے اور جلد لکھئے ۔

والسلام مع الاکرام

خیال

جون ۱۹۴۳ء

(۷)

دہلی - ۱۳، اپریل ۴۴ء

عزیز المکرم دام الطافکم - شب کو تار ملا - اِس محبت کا کیا شکریہ ادا کروں - کل ۱۴ کو ہمارے
...... سے اسٹیشن پر آپ ملیں گے اور امید ہے کہ کوئی بات آپ اُن سے طے کر لیں گے - بہار میں اُردو کی
خدمت آپ کی معیت و اعانت سے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں - مناسب یہ ہے کہ آپ مسٹر ...... کی
خدمت میں فوراً تجویز پیش کریں کہ وہ آپ کو اور مجھے عشرۂ محرم میں رانچی بلائیں - وہاں جاکر ہم لوگ
ایک ایسی اسکیم بنا سکیں گے - جو موجودہ لحاظ سے قابل عمل ہو - میں زیادہ سے زیادہ ۲۱ اپریل تک یہاں
رہوں گا - اُس کے قبل مجھے خبر ملنی چاہیے کہ لوٹتے دن میں گیا کی طرف سے سفر کروں - اور پھر ہم آپ
ساتھ رانچی جائیں - قبل اگر اطلاع نہ آئی تو پھر میں یہاں سے کلکتہ چلا جاؤنگا اور وہاں سے رانچی جانا
سخت دشوار بلکہ شائد ناممکن ہو جائے گا - اس لئے اِس امر میں آپ عجلت کریں - ہمارا آئندہ پتہ یہ ہے -

C/o Sir Mohammad Yaqoob Kt.
Queen's way
New Delhi

والسلام مع الاکرام
خیال

جولائی ۳۵ء

(۸)

رانچی۔ ۷ مئی سنہ ۳۴

عزیز المکرم۔ سخت انتظار کے بعد کل آپکا پوسٹ کارڈ (مورخہ ۵ مئی) ملا جس سے معلوم ہوا کہ آپ
دو ایس اور خط بھیج چکے ہیں۔ مگر اب تک نہ دو ایس ملیں اور نہ خط! اور وہ خط بھی مجھ تک نہ پہونچا جو ڈاک پر روانہ کیا گیا۔ کشمیر کے خرچ سے متعلق
غالباً اسی خط میں آپ نے کچھ تحریر کیا تھا۔ وہ خط ملتا تو اُسے پڑھ کر آپکو جواب لکھتا۔ اس کارڈ سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ غالباً آپکو کچھ
مجبوریاں ہیں۔ میں صرف اتنا عرض کرونگا کہ آدمی کو چانس ہمیشہ نہیں ملتا۔ اسوقت اتفاق سے کشمیر میں آپکے لئے وہ موقعے
نکل سکتے ہیں جو آئندہ سخت کد و کاوش کے بعد بھی پیدا نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ میں اسوقت خالی ہوں اور آپ کی
خدمت پر آمادہ۔ اس لئے میں گزارش کرونگا کہ اپنے فیصلہ پر آپ پھر غور کریں اور اس موقعہ (چانس) سے فائدہ اٹھانے کی کوشش
کریں ہمت مرداں مددِ خدا۔ کشمیر میں .... زیادہ رہیں گے اور نہ دنیا مجھے آئندہ اتنی مہلت دے گی کہ آپ جیسے بے ریا
مہربان کی خدمت کر سکوں۔ مجھے واقعی ولولہ ہے کہ خدا کا نام لے کر یہ سفر کیا جائے۔ اللہ ضرور برکت دے گا۔ غور کیجئے اور بسم اللہ
کیجئے اور فوراً مجھے خبر دیجئے۔

ہمارے منشی صاحب اس کام کی طرف زیادہ راغب و مخاطب نظر نہیں آتے۔ اس لئے اب میں جلد یہاں سے
رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے وطن 'بہار' کو ۴۴ برس قبل سلام کیا تھا۔ کلکتہ کے قیام نے اسوقت اتنا سمجھایا تھا کہ بہار
انسان پرور نہیں ہے اور وہ اپنوں سے زیادہ غیروں کا ساتھی ہے۔ ۱۹۱۲ء میں صوبہ الگ ہوا۔ اس کے بعد نبض شناسی کیلئے
میں عظیم آباد گیا اور وہاں ایک سال رہا۔ اُس دفعہ زیادہ تلخ تجربہ ہوا اور اچھی طرح سمجھ میں آگیا کہ بہار کیا ہے؟ کلکتہ واپس گیا اور
پھر وطن جانے کی جرأت نہ کر سکا۔ اب آپ کی ملاقات اور ہمت افزائی نے وطن کی یاد تازہ کر دی تھی اور اس لئے رانچی آیا۔ مگر
دیکھتا ہوں کہ یہ صوبہ ۵۰ سال پہلے جہاں تھا الحمد للہ اب تک وہیں ہے۔ اپنی جگہ سے ایک انچ نہ سرکا! اور نہ اسکے بڑھنے کی آگے امید ہے۔
بہرحال اب دنیا میں ایک 'خالی' آدمی ہوں۔ مجھ سے کام لیا جا سکتا ہے۔ مگر جبکہ بازار مندہ ہو تو کیا کیا جائے؟ ہاں اگر آپ کشمیر
جا سکتے اور ہماری اسکیم کے مطابق وہاں کچھ ہو جاتا تو آپ کی معیت میں، میں دکھا دیتا کہ ایک 'آدمی' کیا کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ
دلی آرزو ہے کہ کسی طرح آپ وہاں جلد سے جلد جاتے اور ہم لوگ کچھ کام کراتے۔

میں ایمانداری سے کہتا ہوں کہ رسالوں میں مضامین شائع کرانے کا مجھے شوق نہیں ہے۔ بلکہ ایک مدت سے مجھے اس
سے نفرت ہے۔ میں ایسے شاعروں کی بے نتیجہ واہ واہ اور مجلسوں کی وقتی آہ آہ سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ ہمارا ملک اور خصوصاً ہمارا
صوبہ اس قابل نہیں ہے کہ یہاں کوئی حقیقی کام کیا جائے اور اُسکا پھل بھی مل سکے۔ مُغل اور اردو نے ہمارے اس عقیدہ کو اور

مضبوط کر دیا۔ بہار نے اس سے جو سرد مہری برتی وہ تو تعجب خیز نہیں۔ مگر اور جگہ کے حضرات نے جس طرح اسکا خیر مقدم کیا وہ افسوسناک ہے۔ کتاب خریدی، شاید اسے پڑھا بھی۔ اسلئے کہ اُس پر ریویو بھی نکلے۔ لیکن میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا مفہوم و مطلب سو میں دو نے بھی نہ سمجھا۔ ایسی حالت میں کوئی باحواس، فضول کیوں اپنا دماغ و وقت اُن لوگوں کے لئے برباد کریگا جو نہ دماغ لائے ہیں اور نہ دل؟ ندیم آپنے شائع کیا۔ کیا عمل پایا؟ ایسا پرچہ کسی اور جگہ اگر نکلتا تو آپ دیکھتے کہ کیا ہوتا۔ کل ہی لاہور سے ایک خط آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہاں کے رسالہ 'ادبی دنیا' کی پانسو جلدیں ماہانہ پنجاب گورنمنٹ نے خرید نا منظور کی ہیں جو وہاں کے اسکولوں کو دی جائیں گی۔ حالانکہ اُس رسالہ نے کبھی نہ کسی منسٹر صاحب کی مدح سرائی کی اور نہ کسی وائس چنسلر کی اور نہ انکی تصویریں شائع کیں! 'ندیم' کے لئے بہار نے اب تک کیا کیا؟ اسکا جواب ملنا چاہئے۔ میں نے جس مضمون کا 'ندیم' کے لئے وعدہ کیا ہے۔ کلکتہ سے بھیجدونگا۔ لیکن پھر عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ بادلِ ناخواستہ ہوگا۔ محض آپکی محبت سے مجبور ہو کر، ورنہ میں اپنی کسی تحریر کو رسالہ کے ذریعہ سے شائع کرنا فضول سمجھتا ہوں۔

امید ہے کہ تبصرہ برشا بنامہ آپ نے کلکتہ سے منگوا لیا ہوگا۔ اُسے بغور پڑھئے اور اُس کے 'ماحصل' کو دوسروں تک پہونچا دیجئے۔ یہ ایک انقلاب پیدا کرنے والا بیان ہے۔ اسے اگر آپ کتابی صورت میں شائع کرنا چاہیں تو میں اسپر نظرِ ثانی کر جاؤں۔ پروفیسر طاہر کی کتاب 'زردشت' پر ہمارا ریویو اس قابل ہے کہ آپکی نظر سے بھی گذر جائے۔ طاہر صاحب سے طلب کر لیجئے۔ کپتان (وحید) صاحب، خواجہ منوسیل صاحب اور حبیب لبیب صاحب کو سلام و نیاز۔ امیدوار ہوں کہ یہ حضرات کچھ ایسا عمل پڑھیں کہ جھنگو ندی کے پشتہ پر پھر مجمع ہو اور چند دن مزے میں گذر جائیں۔ آپنے اپنی مختصر ملاقات میں بہت کچھ مجھے عنایت کیا۔ ان میں 'نجم' کا ساتحفہ بھی ہے۔ آپکا یہ احسان نہ بھولونگا کہ آپکی توجہ سے ایک 'انسان' مجھے ملا۔ خدا اِس آدمی کو تا دیر سلامت و باکرامت رکھے۔ آمین! جواب بہت جلد عنایت کیجئے۔

السلام مع الاکرام

[illegible]

بہار نمبر ۳۰۵

(۹)

عزیز المکرم۔

انتظار تھا اور سخت۔ شکر کہ آج نامہ ملا۔ شکریہ۔ وہ مضمون یوں لکھا گیا ہے جس طرح بے تکلفانہ خط لکھتے ہیں۔ پھر یہ بھی تہیہ کر لیا گیا تھا کہ ہمارا قلم نہ معلوم ہو۔ اس کے علاوہ بعض ایسی باتیں بھی اس میں ہیں جن کا کسی دوسرے کے قلم سے دہرایا جانا موزوں ہوگا۔ اس لئے آپ اصرار نہ کریں اور 'سنگم' یا کسی اور نام سے اسے چھاپ دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد ہی ندیم کے لئے ایک ایسا مضمون بھیجدونگا جو ہمارے نام سے شائع ہو سکے گا۔ اس 'رشوت' کے بعد خوش ہو کر بہار کے حق میں نیک فیصلہ کیجئے۔ بہار میں لکھنے والے تھے، ہیں اور پیدا ہوں گے۔ ندیم 'بیج بو چکا ہے' درخت اگیں گے اور پھل لائیں گے۔ گر وہ خال خال ہوں گے صوبہ کی عام زبان' ہندی (بہاری) سے اردو وہ اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ بہاری اپنا روز مرہ بھی درست کریں۔ پھر ہما زبان کے لئے بھی اہل زبان کی طرح' لہجہ کو بہت دخل ہے۔ پنجاب اپنی غرور میں گرا۔ اور بہار غفلت کا شکار رہا۔ یہ عیب دور ہو اور زبان آ جائے' محال ہے!

شاہنامہ پر تبصرہ۔ جب تک کتابی صورت میں نہ چھپے اسکا فائدہ عام نہ ہوگا۔ ایسی چیز کسی زبان میں نہ ملے گی۔ آپ سے شائع کریں تو میں اسے درست کردوں۔ خرچ زیادہ نہ ہوگا۔ اور جو ہوگا نکل آئے گا۔ جواب دیجئے۔

بھائی انجم ہوں یا بسمل پوری' دونوں قلم کے چور ہیں۔ مضمون لکھنے میں عاجز اور خط لکھنے میں قاصر۔ اور میں چاہتا ہوں کہ یہ بھلے آدمی خط بھی لکھا کریں۔ جواب میں زبان کے اور پھر ادبی نکتے' خواہ مخواہ 'زبانِ قلم' پر آجائیں گے۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہوں گے کہ ندیم کے منہ میں پڑ کر وہ عام ہو جائیں۔ کیا اس کی طرف توجہ کی جا سکتی ہے؟

ہاں 'گیا' والوں پر آتش دوزخ حرام ہے۔ مگر کلکتہ والوں پر وہ کب حلال ہے۔ آجکل یہاں تشریف لائیے تو معلوم ہو جائے ساتنا ہے کہ پسینہ میں یوں ڈوبتے ہیں کہ جہنم کی ایندھن بنے بھی تو اس کے سکھانے میں میاں مالک کے ہاتھ خشک ہو جائیں۔ جھڑی تو خیر' دو گھڑے تک کو ترستے ہیں اور ہی پھلکو اپنا پیٹ ہی اونچا ہنس کریں کہ ذرا ہنسی آئے' دل ٹھنڈا ہو اور ان کے پاس بیٹھ کر پکوان تک جائیں' ان پر پڑھائے جائیں اور پھر تو۔ تج۔ تج ذرا چھیڑے جائیں۔ دن گن رہا ہوں۔ اس لئے ان تینوں کو دور ہی سے' ۲ نہیں' ۳ سلام!

اردو حرفوں کے متعلق جو نوٹ لکھ کر مولوی شفیع داؤدی کو بھیج چکا ہوں' وہ اس قابل ہے کہ آپ بھی اسے دیکھ لیں۔ مگر اب اس کی سبیل کیا ہے؟ نجم الہدیٰ سے پوچھئے' شاید وہ مدد کرسکیں۔ بہار میں یہ مسئلہ پھر چھڑے گا اور جلد۔ ابھی خبر نہ لی گئی تو آگے کچھ نہ ہو سکے گا۔ مولوی شفیع کے پاس جو مضمون ہے ان سے مانگ لیجئے۔ وہ اس کی نقل رکھ لیں۔ اصل آپکو بھیجدیں۔ مولوی نجم الہدیٰ اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔ دو مہینوں سے ندیم نہیں ملا ہے۔ ہمارے موجودہ پتہ پر بھیجئے۔ جہاں رہونگا مل جائے گا۔ یہاں بھی گھٹن رہی تو بھاگ جاؤنگا۔ ورنہ کلکتہ سے ستم نہیں نکلا ہوا ہے۔ کہاں جاؤنگا۔ والسلام

خیال

بہار نمبر ۳۵ء

(۱۰)

کلکتہ - دوسری اگست ۴۴ء

عزیز الکرم - عرصہ کے بعد آپکا خط ملا - اس سے پہلے یعنی ایک مہینہ کے اندر آپ کے یہاں سے کوئی خبر نہیں آئی - ورنہ گلا کیوں کرتا - مقدمہ کا حال معلوم ہوا - خدا جلد آپکو کروہات سے نجات دے - آمین!

جولائی کا 'ندیم' سرسری طور پر پڑھ چکا ہوں - اس میں 'اچھی فادر لیگ' کا سا مضمون نہ ہوتا تو یہ نمبر بہت زیادہ پھیکا رہتا۔ مگر آپ اہل علم میں سے ہیں - اس لئے دل چاہتا ہے کہ آپکا قلم کچھ علمی و ادبی باتیں بھی کرتا - یہ کون صاحب ہیں جنہوں نے 'ساتھ' پر نوٹ لکھا ہے؟ ایسے طلبا کے مضامین کو خود بھی دیکھ لیا کیجئے - اور احتیاط رہے کہ 'ندیم' میں ایسی چیزیں نکلیں جو ادبی لحاظ سے بھی اچھی ہوں۔

آپ کا رسالہ خالص علمی و ادبی پرچہ ہے - اس لحاظ سے محض 'شہرت' کی بنا پر حضرات کی تصویروں کا اس میں شائع ہونا مناسب نہ ہوگا - یہ 'خوشامد' سمجھی جائے گی - اور ندیم نظروں سے گر جائے گا - آئندہ آپکو اختیار ہے - 'ہماری زبان' والا مضمون آپ اگست کے 'ندیم' میں چھاپ رہے ہیں - مجھے امید نہیں کہ 'بہار' اس سے فائدہ اٹھائے - اس لئے کہ وہ 'زمین' ادھر ہو' ۴۰ سال سے' وہ دماغ نہیں پیدا کرتی جس کی 'ایک ایسے خود رو صوبہ کو ضرورت ہے' بہرکیف اس مضمون کے نہ چھپنے سے اس کا چھپ جانا بہتر ہے -

وعدہ پورا کرتا ہوں - 'نادر اتحاد' والا مضمون جاتا ہے نظیر - شائع کر دیجئے - لیکن محض 'تماش بینوں' کو ایسی چیزیں کیا پسند آئیں گی - جو محض 'تخیلات' پر گذارہ کر رہے ہوں وہ کسی ریسرچ کی کیا قدر کر سکتے!! ایسی محنتوں کی کیا داد دے سکتے ہیں - اس لئے میں نے جا بجا' اس میں ادب کی چاشنی بھی ذرا بڑھا دی ہے کہ اس مزے میں شاید وہ پڑھا جا سکے - لیکن میں 'نئے لوگوں' کی جگہ لینا پسند نہیں کرتا - نوجوان نکل رہے ہیں - وہ بڑھیں اور میدان لیں - میں تو اخیر صف اور پنشن خواروں کی فہرست میں آ چکا - یہ محض آپ کی خاطر تھی اور یہ وعدہ کا خیال تھا کہ مضمون جا رہا ہے - ورنہ آپکو علم ہے کہ رسالوں کے لئے میں مضامین کبھی نہیں بھیجتا - آپ اتنی مہربانی کریں کہ ہماری اس 'احتیاط' کو اپنے نوٹ میں قلمبند کر دیں - ورنہ ہندوستان مجھ پر ٹوٹ پڑے گا - شکایتوں کے علاوہ 'فرمائشیں' آنا شروع ہوں گی - اور میں پریشان ہو جاؤں گا - مضمون بہ یکدفعہ شائع کیجئے 'باقی آئندہ' دکھ دینے والا فقرہ ہے - اسکی رسید فوراً بھیجئے - خدا کرے آپ مع الخیر ہوں - والسلام دعا گو

اکتوبر ۳۵ء

(١٢)

دہلی - ١٨ اپریل ٤٤ء

عزیز کرم و محترم! کل خط لکھ چکا اور مسٹر عزیز کا تار لفافہ میں رکھ کر بھیج چکا ہوں۔ ہمارا کام یہاں ختم ہو گیا۔ اسلئے انشاء اللہ ٢٢ کی سہ پہر کو ایکسپریس میں روانہ ہونگا۔ یہ گاڑی دوسرے دن اتوار کو ۸ بجے صبح گیا پہونچے گی۔ آپ مستعد رہیں اور وہاں سے ہم لوگ ساتھ رانچی جائیں۔ مسٹر عزیز نے آپکو بھی بلایا ہے۔ گرمی سخت ہے مگر آپکو تکلیف ایک نیک کام میں اٹھانی پڑے گی۔ اب روانگی کے تار کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی وجہ سے سفر ملتوی ہو گیا تو البتہ تار پر خبر دوں گا۔ والسلام مع الاکرام۔ خیال

(١٣)

نئی دہلی - ٢٠ اپریل ٤٤ء

عزیز المکرم والمحترم۔ سلام ہائے فراواں۔ پرسوں آپ کی خدمت میں خط بھیجنے کے بعد آپکا لفافہ ملا۔ شکریہ۔ جیسا کہ لکھ چکا ہوں کل (ہفتہ) سہ پہر کے ایکسپریس میں انشاء اللہ روانہ ہوں گا۔ اتوار کو دن کے ۹ بجے یہ گاڑی گیا پہونچے گی۔ میں اس رستے سے نابلد ہوں۔ رانچی کے لئے کس جگہ گاڑی بدلنی ہوگی، نہیں جانتا۔ اسی لئے مسٹر عزیز کو یہ خبر تو دیدی کہ کب روانہ ہوتا ہوں۔ مگر انہیں یہ نہ بتا سکا کہ اتوار کو کس وقت رانچی پہونچونگا۔ آپ اتنی عنایت کریں کہ اس خط کے ملتے ہی انہیں تار دیدیں کہ فلاں گاڑی سے اور فلاں وقت ہم لوگ رانچی پہونچیں گے۔ اب انشاء اللہ پرسوں اتوار کو اسٹیشن پر ملاقات ہوگی اور پھر ریل میں ہمارے آپکے باتیں رہیں گی۔ خیال

(١٤)

کلکتہ - ٢٢ اگست ٤٤ء

عزیز المکرم۔ خط کی رسید دے چکا ہوں۔ امید ہے کہ داستان کا ایک ورق "نادر یادگار" ستمبر کے ندیم میں شائع ہو جائے۔ آئندہ کے لئے اس سلسلہ (داستان) کا ایک اور ورق جا سکتا ہے۔ یہ چیزیں دلچسپ اور ذرا محنت کی ہیں۔ جس کیلئے یہ ملک تیار نہیں۔ ہماری زندگی صرف تخیلات پر ہے۔ اس لئے ایسی چیزیں کیا بھائیں گی۔ دوسرے یہ کہ اوروں کے خلاف میں زیادہ تر اردو بولتا اور لکھتا ہوں۔ عربی فارسی کے رسیا شاید اسپر منہ بنائیں گے۔ خیر۔ میری جو کمائی تھی وعدہ کے مطابق، میں نے آپ کے سپرد کر دی۔ جس طرح جی چاہے اسے صرف کیجئے۔ ہم آپ بے باق ہو گئے۔ خیریت، رسید اور مقدمہ کا حال مجھے بہار میں اردو کے متعلق آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ مجھے امید نہیں کہ وہاں کچھ ہو سکے۔ بار بار لکھ چکا ہوں کہ چند اچھے لکھنے والوں سے کسی جگہ کی زبان بڑھ نہیں سکتی۔ اور جب تک روزمرہ درست نہ ہو، بہار کی زبان، اردو نہیں بن سکتی۔ نہ یہ ہوگا اور نہ وہاں کی زبان ملک میں کوئی درجہ حاصل کر سکے گی!

والسلام مع الاکرام

خیال

ندیم دسمبر ٤٥ء

(۱۵)

رانچی۔ ۲۸ اپریل ۴۴ء۔ سہ پہر

عزیز الکرم۔ آپ کے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ ہماری دوا بس دو دنوں کی اور ہے اور یہاں [illegible]
مشکل ہے۔ اس لئے زحمت دے رہا ہوں کہ اس کارڈ کے ملتے ہی حسب ذیل دوائیں خوب کُٹوا کر فوراً پارسل کر دیجئے [illegible]

چھوٹی ہڑ۔ بڑی ہڑ۔ کالا نمک۔ سنا۔ سونف۔ ہموزن۔

آپ کے رخصت ہونے کے بعد سے گھبرا رہا ہوں۔ خدا کرے جلد ملنا ہو۔ 'سفر' کا تصفیہ کر کے [illegible]
سامان درست کر سکوں۔ ۷ مئی اور ۱۲ مئی کے اندر سفر مناسب ہوگا۔ خط رانچی لکھئے۔ والسلام [illegible]

نیاز

(۱۶)

کلکتہ ۲ اگست ۴۴ء

عزیز الکرم۔ مضمون (ہماری عورتیں) کی رسید کا انتظار کر کے کل یاد دہانی کر چکا ہوں۔ آج آپ کا [illegible]
مضمون بہار نمبر کے لئے موزوں نہ ہوگا۔ اس موقع پر کوشش کرونگا کہ بہار کے تعلق کی کوئی چیز قلمبند کر دوں [illegible]
آپکے صوبہ اور عظیم آباد سے بے تعلقی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کیونکہ [illegible]
ہوئے لوگ وہاں نہ رہے۔ دل انہیں ڈھونڈھتا ہے۔ موجودہ پود کا 'سُر' ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ [illegible]
رہتا ہوں اور اُن سے معاشرت پسند نہیں کرتا۔ بہار نمبر میں آنا ضرور ہونا چاہئے کہ اُس صوبہ سے [illegible]
ورنہ رسالہ میں کوئی خاص بات پیدا نہ ہوگی۔ خدا آپکو مقدمہ کی بلا سے جلد چھڑائے کہ کھل کر باتیں [illegible]
اس سے بہتر نعمت مجھے کیا ملے گی۔ خدا کرے اُس وقت میں بھی یہاں رہوں۔ اپنے آنے کی خبر قبل دیجئے [illegible]
کے متعلق آپنے کچھ نہیں لکھا کہ وہاں وہ کن کانوں سے سنا گیا؟ میں آجکل اچھا نہیں ہوں۔ والسلام

نیاز

پتہ انگریزی میں لکھا کیجئے۔

(۱۶)

کلکتہ - ۲۰ ستمبر ۴۴
عزیزالمکرم - کارڈ ملا - آپ ندیم کے شاکی ہیں اور میں قوم بھر کا - ہمارے یہاں بدحواسیاں ہیں، حواس کہاں؟ یہ ہوتا تو
ہم اس طرح غلام نہ بنے رہتے۔ اخیرا ندیم اب بھی نہ ملا - غالباً آپ نے اس کے بھیجنے کی تاکید کی ہوگی مگر کچھ نہ ہوا۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا
ہے کہ بدحواسیاں اور بے نیازیاں دونوں ہیں۔ اور کیا کہوں۔ خدا آپ کو مقدمے سے نجات دے اور اس کام میں لگائے رکھے جس سے آبرو
باقی رہے۔ باقی رہی ادب بازی یہ تو وہ کھیل ہے جسے دنیا میں کچھ نہ کرنا ہو۔ آپ کو بہت کچھ کرنا ہے۔ یہ بیچارہ کام بھی نہیں سنتا تھا
ہوں - اس لئے ایسی بازیوں سے پرہیز کرنے کی گزارش کرونگا۔ نہ کہ فضول وقت برباد ہو۔

خیال

(۱۷)

پٹنہ سٹی - ۵ نومبر ۴۴ء
عزیزالمکرم - میں ۲۸ اکتوبر سے پٹنہ میں ہوں آپکا خط کلکتہ سے لوٹ کر یہاں ملا - شکریہ - الحمد للہ وہ کام بروقت
انجام پاگیا ہے۔ دریا نہیں کاربند ساقی! کل لکھنؤ کا ارادہ ہے۔ وہاں سے علی گڑھ و دہلی جاؤنگا۔ وہاں کچھ دن رہنا ہوگا۔
خط وغیرہ اس پتہ پر بھیجئے جو کارڈ کے پشت پر ہے۔ جہاں رہونگا مل جائیگا۔ حمید صاحب (لودیگڑھ) آپ کے بہت شاکی ہیں۔ ندیم
انہیں نہیں ملتا۔ ہماری زبان اور نادر اتحاد والے مضامین جن نمبروں میں نکلے ہیں انہیں اور جناب سید مجتبیٰ حسین خاں صاحب
(حاجی گنج۔ پٹنہ سٹی) کے نام فوراً بھیجدیجئے۔

خیال

فروری ۱۹۳۶ء

محترمہ سعادت کچلو کے چند خطوط

بنام جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب ایم اے پی ایچ ڈی

حادثۂ جلیانوالہ باغ کی ایک یاد!

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

جلیانوالہ باغ کے ہیرو ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال تھے۔ ان کے مقدمات کی طرف اس زمانہ میں سارا ہندوستان متوجہ تھا۔ ڈاکٹر سیف الدین اور جناب ڈاکٹر سید محمود یورپ میں رفیق درس تھے۔ ڈاکٹر کچلو کے مقدمات کے سلسلہ میں کچھ بیگم محترمہ سعادت کچلو کے چند خطوط جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب کے نام آئے تھے، وہ ذیل میں پیش ہیں۔ امید ہے کہ ان کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

امرتسر۔ کٹڑہ جیمل سنگھ

معرفت میاں عزیز اللہ صاحب وکیل میونسپل کمشنر

۱۴ مئی ۱۹۱۹ء

برادر مکرم

آداب۔ آپ کا ہمدردی سے بھرا ہوا خط مجھے پرسوں گھر سے ہوتا ہوا یہاں ملا۔ جس سے میں آپ کی بڑی شکرگزار ہوں۔ ڈاکٹر صاحب آپ کا ذکر مجھ سے اکثر کیا کرتے تھے۔ اس لئے میں اس رشتۂ محبت سے پورے طور پر آگاہ ہوں۔ جو آپ میں اور ان میں قائم تھا اور ہے +

ڈاکٹر صاحب کو ۱۰ اپریل گزشتہ کو گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے دھرم سالہ لے گئے تھے۔ جہاں وہ ۷ مئی تک بند رہے۔ وہاں ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ تھی۔ اب ۸ مئی سے واپس لائے گئے ہیں۔ اور اس دن سے لاہور سنٹرل جیل میں ہیں۔ ان پر مقدمہ چلائے جانے کی خبر ہے۔ لیکن ابھی تک تاریخ کا کوئی پتہ نہیں +

جو ایک مہینے کے قریب اپنے گھر رہی - لیکن اب اپنے والد کے گھر ہوں - اور آئندہ
آپ خط لکھیں - تو انہیں کی معرفت لکھیں +

جس تکلیف اور تشویش سے دن گذر رہے ہیں - بیان کرنے کی ضرورت نہیں - دعا کیجئے -
کہ توفیق صبر کے ساتھ اس مصیبت کو کاٹ سکیں - اور انجام بخیر ہو - آمین ثم آمین
آپ کے بھائی کے انتقال کی خبر سے بڑا رنج ہوا - خدا اُن کو غریق رحمت کرے -
اور آپ لوگوں کو صبر بخشے - آمین +

آپ کی علالت کی خبر سے بھی پریشانی ہے - اپنی خیریت سے مطلع کریں - تاکہ تسلی ہو +
آپ کی ہمدردی اور تسکین بخشی کی خاص طور پر شکرگزار ہوں - اور آپ کے
خط سے میرے دل کو بڑی تقویت ہوئی ہے - زیادہ والسلام
آپ کی بہن سعادت (رکھیو)

امرتسر ۴ جون

برادر مکرم
آداب - امید کہ میرا پہلا خط آپ کو مل گیا ہوگا - مقدمہ کی تاریخ
۹ ماہ حال مقرر ہوئی ہے - یعنی آئندہ پیر کے دن مقدمہ شروع
ہو جائے گا - اطلاعاً تحریر ہے - دعا کیجئے کہ انجام بخیر ہو - آمین

اکتوبر ۱۹۳۰ء

۱ر اکتوبر ۴۸ء

برادرِ مکرم

آپ کا ہمدردی سے بھرا ہوا خط مجھے کئی دن ہوئے ملا تھا۔ اس کا جواب میں جلدی نہ دے سکی۔ کہ انہیں پر مصائب ایام میں خدا تعالیٰ نے ایک لڑکا دیا ہے۔ جو غریب آج نو روز کا ہے۔ آپ کا خط ملا تو میں جواب لکھنے کے بالکل قابل نہ تھی۔ اس لیے امید کہ معذور سمجھی جاؤنگی۔

ڈاکٹر صاحب کے مقدمہ کی تاریخ ابھی معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن غالباً آج یا کل تک ہو جائیگی۔ آپ اگر مقدمہ کی پیروی کے لیے آنا چاہیں۔ تو ایڈمنسٹریٹر مارشل لا ایریا لاہور سے اجازت طلب کریں۔ کسی اور بات کے دریافت کرنے کی ضرورت ہو تو چیف سکریٹری گورنمنٹ پنجاب لاہور سے دریافت کرنا چاہیئے۔ جس وقت تاریخ معلوم ہوگی میں آپ کو فوراً اطلاع دونگی۔ آپ کی ہمدردی کی نہایت درجہ شکر گذار ہوں۔

دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ ان معصوم بچوں پر جن میں سے ایک پونے تین سال کی بچی اور دوسرا نو دن کا معصوم بچہ ہے رحم کرے۔ زیادہ نیاز

آپ کی مشکور بہن سعادت

اکتوبر ۱۹۴۸ء

۱۳ اکتوبر [illegible]

برادر مکرم۔ آداب

آج بہت دنوں کے بعد آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ دوران مقدمہ میں آپ کے کئی خطوط ملتے رہے۔ جن کا کافی جواب میں نہ لکھ سکی۔ اس وقت مجھے سارا زمانہ تیرہ و تار نظر آتا تھا۔ اور معلوم نہیں ہوتا تھا۔ کہ کیا ہوگا۔ آخر کار عدالت نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ان کی خاطر جناب عدل پرور نے تجویز کی۔ خداوند کریم کی رحمت کے قربان جائیے۔ اس کی بندہ نوازی تھی۔ کہ مجھے صبر اور شکر کی توفیق عطا کی اور میں نے اس سخت مصیبت کو خوشی کے ساتھ برداشت کر لیا۔ گو بعد میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گیا ہے لفٹنٹ گورنر پنجاب کے ترحم فرمانے کی بدولت وہ سزا دو سال قید سخت سے بدل دی گئی ہے +

آپ کے دونوں خطوط جن میں ایک شریمتی رما جی کے نام تھا۔ اور دوسرا میرے۔ مجھے مل گئے تھے میں اور ان کے پتا جی آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں +

ڈاکٹر صاحب کا طرز عمل اس عرصہ میں نہایت عمدہ رہا ہے۔ انہوں نے قابل تعریف ضبط سے کام لیا۔ اور برابر ہنستے کھیلتے رہ کر دوسروں کی بہت بندھاتے رہے۔ یہاں تک کہ عدالت کے فیصلے کے وقت بھی انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی تھی +

میں اس عرصہ میں ان سے صرف تین بار مل چکی ہوں۔ دو بار [illegible] کورٹ میں اور ایک بار سنٹرل جیل میں (جس کو آج کل [illegible] کہتے ہیں) چونکہ ملاقات کی اجازت چھ مہینے میں ایک بار مقرر کی گئی ہے۔ اس لئے دوسری ملاقات کے لئے مجھے ساڑھے پانچ مہینے کا اور انتظار [illegible]

رہائش کے لئے یورپین وارڈ میں جگہ دی گئی ہے۔ لالہ ہرکشن لال۔ پنڈت رام بھجدت اور [illegible] صاحب [illegible] ایک ہی جگہ رکھے گئے ہیں۔ پلنگ اور بستر وغیرہ گھر سے ملتے ہیں۔ کھانا جیل سے ملتا ہے۔ گھر سے کسی کھانے کی چیز بھیجنے کی اجازت نہیں۔ لیکن سننے میں آیا ہے کہ کھانا اچھا اور قیدیوں کی حسب حیثیت ہوتا ہے +

خدا کا شکر ہے کہ جس نے اس سخت مصیبت سے نجات بخشی۔ اسی نے اس مشکل کو سہل کیا ہے۔ اور اسی سے امید ہے کہ اس کو بھی آسان کر دے گا۔ لیکن بھائی جان جتنی سخت تکلیف

نقشِ سلیمانی

یعنی

مکتوب حضرت علامہ سید سلیمان ندوی بنام مولانا عبدالماجد دریابادی بی اے

حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی وفدِ خلافت کے رکن ہو کر مولانا محمد علی مرحوم وغیرہ کے ساتھ یورپ تشریف لے گئے تھے، یہ مکتوب حضرت ممدوح نے فرانس سے مولانا عبدالماجد کے نام لکھا تھا۔ مکتوب ادبی لطافتوں کے ساتھ نئی معلومات کا حامل ہے۔ یہ ذاتی مکتوب اب ناظرین بہار نمبر کی خاطر وقفِ عام کیا جاتا ہے۔ ناظرین بہار نمبر کی خوش نصیبی ہے کہ یہ نوادر ان کے حصہ میں آئے۔

السلام علی مبلغ السلام[1]

ادھر چند ہفتوں سے میں جناب کے علمکدہ میں حاضر نہیں ہوا۔ عفو کا خواستگار ہوں، واقعہ یہ ہے کہ میں یکایک سخت بیمار ہو گیا، میرے پیٹ میں ہندوستان میں دو دفعہ درد ہوا تھا جو ریاحی سمجھا گیا، مگر جہاز پر قدم رکھنے کے ساتھ وہ ماہانہ دورہ کی شکل اختیار کرتا گیا، یہاں تک کہ پچھلا دورہ ۱۹ جون کو اس قدر سخت پڑا کہ میں مایوس سا ہو چلا، اور اس سکرات کے عالم میں تمام مقدس ادعیۂ ماثورہ، و کلمات طیبہ پڑھتے "مرد آزاد" (غالب) کا یہ شعر زبان پر تھا

مارا دیارِ غیر میں مجھکو وطن سے دور — رکھ لی میرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

بارے علاج سے تسکین ہوئی، "گال بلیڈر" نام ایک بیماری تجویز ہوئی، اور صرف آپریشن اس کا علاج بتایا گیا، تین چار انگریز ڈاکٹروں کی یہی رائے ہوئی، مگر ہم لوگوں کے ایک کرم فرما ترک ڈاکٹر نہاد رشاد نے جو پیرس کے اخبار "اکوڈی اسلام" (صدائے اسلام) کے ایڈیٹر ہیں اور ماہر ہیں، کہا کہ آپریشن کے بغیر علاج ہو سکتا ہے، اور اس سلسلہ میں انہوں نے یہ خوب کہا کہ ہندوستان میں انگریز ڈاکٹروں کا اعتبار کتنا ہی ہو، لیکن یورپ میں ان کو کوئی ڈاکٹر تسلیم نہیں کرتا، فرنچ ڈاکٹروں کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں، چنانچہ وہ خود مجھے پیرس امراض معدہ و جگر کے ایک فرنچ ماہر کے پاس لے گئے، اس نے دیکھا تو کہا کہ آپریشن کی ضرورت نہیں، اور طبی رائے میں ڈاکٹر رشاد کی ہر طرح تائید کی، بہرحال ان لوگوں کے مشورہ سے چند روز کے لئے ویشی (فرانس میں) قیام ہے، یہ معدہ و جگر کی بیماریوں کے لئے تمام دنیا میں ایک ہی صحت گاہ ہے، یہاں ان بیماریوں کے بہترین ڈاکٹر ہیں، یہاں کے قدرتی چشموں کا پانی معدہ و جگر کے لئے اکسیر ہے، ڈاکٹر رشاد کے ایک فرنچ دوست یہاں ڈاکٹر ہیں، ان ہی کے زیر علاج ہوں، دوا یہ ہے کہ دن میں پانچ چھ مرتبہ مختلف چشموں کا پانی پینا، صبح اٹھ کر انہیں چشموں کے گرم حمام میں خاص طریقہ سے غسل کرنا۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ میں اپنے مذہب[2] کی جو تفصیل کی ہے مجھے اس سے نقطۂ اختلاف نہیں، دنیا میں امن و سلامتی کے دور کا مسلمان تو

---

[1] اس زمانہ میں مکتوب الیہ "امن عام" کے فلسفہ کے منادی تھے اور رچرڈ پال کی کتاب "پیام امن" کا ترجمہ کر رہے تھے۔

[2] یعنی امن و سلامتی کی عالمگیری اور ہر طرح کی لڑائی سے پرہیز

سے بہتر خواہ کون ہوگا، کمزور قوموں کے لیے تو یہ آواز نوید حیات ہے، لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ اس آب حیات کی ضرورت شمر جذبیت، اپنی قوت و طاقت پر مغرور، امن و سلامتی کو اپنی تلواروں سے وابستہ سمجھنے والی قوموں کو ہے، آپ ہندوستان کی اسپرٹ کو امن و سلامتی کے دعظ سے کیا فائدہ پہونچا سکتے ہیں، ہاں اس سے یہ ہوگا کہ اس میں زندگی کی جو کچھ بھی روح ہے اس کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ ع

جو خود ہی مر رہا ہے اُس کو گر مارا تو کیا مارا

میری قسمت میں ہندوستان کے پیروں سے ملاقات بھی وطن سے دور ہی مقدر تھی، لندن میں ٹیگور کا شرف دیدار نصیب ہوا، پیرس میں ڈاکٹر بوس سے نیاز حاصل ہوا۔ ۳۰ جولائی کو پیرس کے عجائب خانۂ تاریخ طبعی (میوزیم آف نیچرل ہسٹری) میں ڈاکٹر موصوف کا لکچر تھا۔ یہ عجائب خانہ ایک وسیع عمارت ہے جس کے اندر نباتات و نجومیات کا مجموعۂ عجائبات ہے، میں نے اس کو بالکل سرسری دیکھا کیونکہ میری دلچسپی کی چیز تو ڈاکٹر بوس کا لکچر تھا، نباتات کے نمونے احساس پر تھے، جو پیرس میں فرانسیسیوں کے ساتھ ہندوستانی جماعت کا بھی مجمع تھا، برقی روشنی کا عکس سامنے کی دیوار کے پردہ پر ڈال کر اپنے ایجاد کردہ نازک و لطیف آلات کے ذریعہ سے اس میں نباتات کی نہایت ہی لطیف حرکت کا نقشہ دکھا رہے تھے، اور زبانی سائنس کو سمجھاتے تھے، وہ فرنچ نہیں جانتے، انگریزی میں تقریر کر رہے تھے اور ایک فرنچ پروفیسر اُن کی انگریزی تقریر کا فرنچ میں لفظی ترجمہ سناتا جاتا تھا، تقریر کے بعد چند پروفیسروں نے ڈاکٹر موصوف کی تعریف کی، اس کے بعد ہندوستانیوں نے ان کو اسٹیج پر جا لیا، اور وہ اس ہال کے چاند بسنتر ہمارے درمیان کھڑے ہو گئے۔ ایک دوست نے میرا تعارف کرایا، انہوں نے کہا کہ مسلمان بایوس نہ ہوں ترقی امید کے سہارے جیتی ہے، پھر کہا کہ میں بھی ایشیا ہی کی خدمت کر رہا ہوں، اور بتاتا ہوں کہ ایشیا کا دماغ خدا کے عطیوں سے محروم نہیں ہے جانتا ہوں کہ ہندوستانی ادھر بھی توجہ کریں، ڈرتا ہوں کہ میرے بعد یورپ یہ نہ کہے کہ بوس ایک مستثنیٰ ایشیائی تھا، ورنہ ایشیا والوں کا دماغ حقیقت میں اس لائق نہیں،

پیرس میں میں نے عربی کی چند کتابیں دار المصنفین کے لیے خریدی ہیں، اکثر تاریخ و جغرافیوں سے متعلق ہیں، ان میں آپ کے کام کی کوئی چیز نہیں یعنی فلسفہ کی کوئی کتاب نہیں، حیثیت پر ایک دو کتابیں ہیں، اور یہ سب یورپ کی چھپی ہوئی ہیں، جس مقام سے میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں یہ اس شہر کا ایک کمرہ ہے، جس میں مختلف مقامات پر کئی ہزار کرسیاں پڑی ہیں، جن کے مبرہی ان پر بیٹھ سکتے ہیں، اب آپ سنئے کہ یہ تمام کرسیاں شروع سے آخر تک ہمیشہ معمور رہتی ہیں، اس کے ایک گوشہ میں تھیٹر ہے، دوسرے گوشہ میں رسٹوران ہے، ایک کمرے میں اخبار ہیں جن کو لوگ پڑھ رہے ہیں، اس کے مقابل کے دو بازوؤں کے کمروں میں میز کرسی اور میز پر خط لکھنے کے لیے لفافہ، کاغذ اور دوات و قلم ہیں اور یہ دونوں کمرے لکھنے والوں سے بھرے ہیں۔ سامنے لائبریری ہے اور لائبریری کے سامنے ہی قمارخانہ ہے، جہاں تمام دن شرفائے فرانس بیٹھے جوا کھیلتے رہتے ہیں، کھیلنے والوں کے چاروں طرف تماشائی ہیں، باغ کی ایک روش پر لذتِ شب کے سوداگروں کا بازار ہے، تماشا خود محو خرام ہے، اور تماشائی نہ معلوم جگر کاٹ رہے ہیں، ایک اور طرف رقص و سرود کا سامان ہے، یہ مجموعی نیرنگی اور ایک ہی دسترخوان پر بصد مختلف الوانِ نعم، فرنچ تمدن کی خاص خصوصیت ہے، کیا آپ ہندوستان میں بھی یہی نقشہ چاہتے ہیں؟،

افسوس کہ میں "اہل تجربہ" میں نہیں، ورنہ کچھ نیچرل میوزیم "کی ہسٹری" بھی سناتا، دُور سے دیکھتا ہوں اور سہم جاتا ہوں کہ یورپ کے علم کا سایہ جس سرزمین پر پڑا وہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے، فلسطین اور عراق انگریزی برکات کے ظل ہمایوں میں ہیں، اور بلادِ شام فرانسیسی تمدن کے زیر سایہ انہیں سعادتوں سے مالا مال ہوں گے، اب آپ سنیں گے کہ بیت المقدس میں، مقام خلیل میں، نجف اشرف و بغداد میں، مدفن بلال میں، مرقد حسن بصری میں، مقتل حسین میں، کس قدر قمارخانے، کس قدر قحبہ خانے، اور کس قدر دار الفواحش قائم ہوئے ہیں، اور تھیٹروں اور سینماؤں کے لیے ان مقامات مقدسہ کے کون کون سے موزوں قطعے منتخب ہوئے ہیں،

ترکوں کے عہد حکومت میں یہ چیزیں قانوناً ممنوع تھیں، کیونکہ وہ جفاکار وحشی تھے، اور اب تو آزادی کا دور دورہ ہے، یورپ ہلکو فیاضی سے آزادی بخشتا ہے، کیوں؟ تاکہ ہم سیاسی آزادی کے قابل نہ رہیں، ورنہ وہ کون سی آزادی ہے جو مغربی اقوام کے ماتحت مشرقی قوموں کو نصیب ہے یہاں الجزائر کے مسلمانوں سے بکثرت ملاقاتیں ہوئیں، وہ اپنی آزادی کی وہ دردناک کہانی سناتے ہیں کہ آپ اپنے امن کا افسانہ ان کے سامنے بھول جائیں اب میرے پانی پینے کا وقت آگیا، اس لئے خط تمام کرتا ہوں اور گرادلی تل چشمہ کا گرم شور پانی پینے جاتا ہوں، سلام رحمت سید سلیمان ندوی

بہار منیر ستمبر

یادِ شادؔ

(عطیہ جناب بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا)

جناب بھائی مولانا علی محمد شادؔ عظیم آبادی علیہ الرحمۃ کے یادگار نمبر کے لیے مضمون لکھنے جب قلم اٹھایا تو مرحوم کی یاد تازہ ہوگئی۔ ان کے درد بھرے خطوط کی یاد، ان کی تکلیف کی یاد، ان کی ناشادی نامرادی کی یاد، ان کی بیماری کی یاد، ان کی حیدرآباد آنے کی تمنا کی یاد، غرض یادگار شادؔ نے مجھے شادؔ کی زندگی کے تمام واقعات یاد دلائے۔ دل و دماغ میں ایک تلاطم برپا ہے۔ اب لکھوں تو کیا لکھوں۔

بھائی شادؔ مرحوم، میرے شوہر سید ہمایوں مرزا مرحوم کے عزیز تھے، اور میرے خسر حضرت شیدہ الغنی حسین فریادؔ علیہ الرحمۃ کے شاگرد رشید تھے۔ اور حضرت فریادؔ کی سوانح عمری جس کا نام "حیات فریادؔ" ہے حضرت شادؔ عظیم آبادی نے لکھی ہے۔ ضعیفی میں جس محنت اور محبت سے انہوں نے حضرت فریادؔ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری لکھی ہے، وہ ان کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو خطوط میرے شوہر مرحوم کے نام انہوں نے لکھے تھے جس کو جناب ڈاکٹر زور صاحب نے ادارہ ادبیات اردو کے ذریعہ شائع کیا ہے۔ افسوس اس کا ہے کہ خطوط کی کاپی و پروف تک نہیں بھجوایا گیا۔ حالانکہ میں نے کہدیا تھا جو خانگی باتیں تھیں وہ بھی چھپ گئیں، اور بھی خطوط مرحوم کے میرے پاس ہیں۔ اس وقت دو خط اصل بھجوا رہی ہوں۔ اس سے ظاہر ہوگا جو تعلقات سید ہمایوں مرزا مرحوم سے اور بھائی شادؔ مرحوم سے تھے۔

شادؔ عظیم آبادی کی ابھی بہت سی کتابیں چھپنا باقی تھیں۔ معلوم نہیں وہ چھپی بھی ہیں یا نہیں، اگر نہیں چھپی ہوں تو جلد سے جلد چھپوا دینا چاہیے۔

حضرت شادؔ کی تعریف میں یہ کہنا کافی ہے، کہ وہ مرثیہ کہنے میں انیسؔ کے برابر تھے، اور غزل گوئی میں میرؔ کے پایہ کے۔ خدا مرحوم کو جنت میں جگہ دے اور ان کے مزار پر ہمیشہ پھول برستے رہیں۔ ایڈیٹر حسن امام صاحب نے بہت بڑا کام کیا جو یادگار نمبر نکالا۔ میں ان کو اس خیال پر مبارکباد دیتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ مرحوم کی کتابیں بھی چھپوانے کا انتظام کیا جائیگا۔

ہمایوں نگر۔ صغرا منزل
حیدرآباد دکن۔

صغرا ہمایوں مرزا
۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۳۲ء

(شادؔ نمبر)

مکاتیب شاد

(١)

پٹنہ، ۳ر جون ۱۹۰۸ء

اخوی محتشم ذو المجد و الکرم - سلمکم اللہ تعالیٰ - تسلیم

گرامی صحیفہ پہنچا۔ اس نظر سے کہ وہ آپ جیسے عزیز کا خط ہے آنکھوں سے لگایا اور اس خیال سے کہ یہ خط اُس ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس نے حضرات کی ضریحوں کو مس کیا ہے تو اس خط کے بوسے لئے۔ بخدا میں آپ کی اس دینی کامیابی سے اس قدر خوش ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

عزیزی مولوی احمد علی خاں صاحب اس کتاب کا نمونہ ہی دیکر رہ گئے اور کتاب مجھ تک نہیں پہنچی۔ یہ سچ ہے کہ احمد علی خاں کثرت کار کے سبب سے کچھ اور بھی کھو گئے ہیں۔ آپ نے بالواسطہ کیوں بھیجی قصور معاف آپکی بھی غلطی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ مجھ سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ اس شوق کو تو آپ میرے دل سے پوچھیے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ پٹنہ میں قحط الرجال ہو گیا ہے۔ ایک نقل اس قحط الرجال کی سن لیجیے۔ باقی پور میں بشیشر کا بنا کردہ ایک کالج ہے۔ وہاں کے پرنسپل و پروفیسر و ٹیچر کل ہندو اور نہایت متعصب ہندو اور فلسفہ مذہب ہنود میں جید ہیں۔ کمی فیس کے سبب سے بعض مسلمان بھی وہاں پڑھتے ہیں۔ تین برس ہوئے کہ بی۔ اے کلاس کے چند مسلمان لڑکے میرے پاس لگ کر آئے اور رو رو کر یہ بیان کیا کہ اس کالج کے ہندو لڑکے مذہبی چھیڑ چھاڑ کر کے اب بہت ستاتے ہیں اور اپنے مذہب کے وہ وہ فلسفی مسائل بیان کرتے ہیں کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ مذہب اسلام میں بجز ظواہر کے باطنیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم لوگ شہر کے نامی مولویوں سُنّی و شیعہ سب کے پاس گئے دو تین ہی سوالات کرنے پائے تھے کہ ایسے تبرّے کئے گئے کہ توبہ۔ اب میری سنئے کہ اس وقت تو دلجوئی کر کے ان لڑکوں کے کچھ آنسو میں نے پونچھ دئے مگر بعد کو اپنی جگہ سوچا کہ بغیر اس کے کہ ہنود کی مذہبی کتابیں نہ پڑھ لوں کام نہ نکلے گا آخر میں نے چاروں وید گیتا اور رامائن منگا کر بعض کو اردو میں اور بعض کا ترجمہ کرا کر بغور پڑھا۔ پھر تھیوصوفی کی جو کتابیں بہ تقویت فلسفہ مذہبی ہنود لکھی گئی ہیں ان کو پڑھا تب فصوص الحکم مثنوی مولانا روم افق المبین میر باقر داماد اسفار ملا صدرا پر بغور تمام نظر ڈالی۔ غرض دو برس تک ان مذہبی کتابوں کو دیکھ کر چار سو بند کا ایک مرثیہ کہا جس کے آغاز میں بطور مقدمہ دو سو بندوں میں فلسفۂ مذہب اسلام کو بہ ترکیب جدید بیان کر کے شہادت امام حسین کو رزم و بزم کے ساتھ نظم کیا اور ایک مجلس میں جس میں غالباً خاص پٹنہ کے ایک ہزار لوگ جمع ہو گئے پورا مرثیہ پڑھا وہ دو سو بند ابتدا کے جن کو میں بلا شبہ الہامی جانتا ہوں، لوگوں نے اس طرح سُنا جیسے کسی اجنبی زبان کو سنتے ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ کلموا الناس علیٰ قدر عقولہم کا مقولہ ٹھیک ہے تو ناچار گھوڑے اور تلوار کے بند پڑھنے شروع کر دیئے اور وہ تمام واقعات شہادت وغیرہ پورے چھوڑ دیئے۔ ان بندوں پر اس قدر تعریفیں ہوئیں کہ کیا بیان کروں۔ تکلف یہ ہے کہ کوئی فاضل بھی زیر منبر تھا مگر ایک نے بھی ان فلسفی مسائل کو نہ سمجھا۔ ناچار میں نے دوسری مجلس میں پنڈتوں اور نئے تعلیم یافتہ ہنود کا جلسہ کیا اور مرثیہ پڑھا۔ جن ہندوؤں پر ہمارے اہل اسلام خاموش تھے ان تعلیم یافتہ ہندوؤں کی کیفیت ہوگئی کہ مبہوت و متحیر ہو گئے۔ اور تعریف کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اب آپ خیال کیجئے کہ ایسی قوم ہیں اور ایسی

سوچتی میں انسان کیونکر رہ سکتا ہے اور کیونکر اور کس امید پر تکمیل کر سکتا ہے۔ میں اس مرثیہ کے شروع کے دو تین بند جو یاد ہیں لکھتا ہوں ؎

میں گیا اور کھلی شرح کتاب عرفاں
اسی رستہ میں ہے ادراک سا رہبر حیراں
منتظر اپنے سمجھنے پہ ہو کیونکر انساں
جو نہاں ہے وہ عیاں ہو جو عیاں ہو وہ نہاں
پوچھیے ہم کہ حقیقت کو یہ امکاں نہیں
اس پہیلی کو سمجھنا کوئی آساں نہیں

حال دنیا کا نہ کچھ پوچھ ادب گاہ ہے یہ
کون کہتا ہے کہ مستوجب اکراہ ہے یہ
جس نے سمجھا ہے اسے اس کی ہوا خواہ ہے یہ
کوئے مقصود بتا دیتی ہے وہ راہ ہے یہ
الحق آئینۂ خاطر کو جلا دیتی ہے
معرفت ہو تو خدا تک کو ملا دیتی ہے

معرفت کے لیے پیدا ہوا دنیا میں بشر
یہ نہ ہو گر تو دد و دام سے بھی ہے بد تر
راہ مشکل ہے کہ ادراک ہے دنیا کی مگر
ساتھ ہے عقل سا ہادی کہ لیے کرے رہبر
شکر لازم ہے کہ انساں نے یہ نعمت پائی
اک نقط عقل کے ملنے سے شرافت پائی

عقل انسان میں اک جوہر نورانی ہے
اس نے ہر چیز اسی چیز سے پہچانی ہو
اس کو سمجھے جو معطل تو یہ نادانی ہے
یہی جوہر تو اس انسان میں لاثانی ہے
غور سے کام نکالے کہ بشر عاقل ہے
کوئی تکلیف نہیں اس پہ جو لا یعقل ہے

پردۂ اغراض و تعصب کو ہٹا کر دیجیے
ذہن بے وجہ نہیں ذہن لڑا کر دیکھیے
عقل و فطرت کے قواعد کو ملا کر دیجیے
دونوں آئینوں کو ہاتھوں پہ اٹھا کر دیکھیے
چہرۂ شاہد مقصود نظر آئے گا
جس کا جویا ہے وہ موجود نظر آئے گا

اس مرثیہ میں میں نے حتی الوسع نہایت ہی غور سے کام لیا ہے یہاں تک کہ فلسفۂ مذہب کو مدلل کر کے اسلام ثابت کیا اور پھر شرف عشق کے مراتب بیان کر کے امام حسین کی شہادت بیان کی ہے اور تلوار اور گھوڑے نیزہ کے فطرتی فی الفور نظم کیے ہیں پہلا اس کو تو میں دل سے مانتا ہوں کہ محض آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ کی روحانی برکت جس کی ایک داستان ہے) آج میں ۵۰ مرثیوں اور مولود بہ طرز جدید کا مالک ہوں تعجب یہ ہے کہ اس پیرانہ سالی اور ایک وقت کی غذا اور بیماری و ضعف پر چار چار سو بند بہ یک مجلس کیونکر شد و مد سے پڑھ جاتا ہوں خیر یہ تو ابتدائی اور ہندوستانی ہو چکی اب اصل مدعا جو آپ سے مفصل بیان کر دینا ضرور ہے اور جس کو میں نے کسی سے نہیں ظاہر کیا ہے۔

۱۱ میری مالی حالت کی کیفیت شاید آپ بھی اسی طرح جانتے ہوں گے جس طرح دنیا جانتی ہے کہ میں متوسط الحال ہوں یہ بیشک ہے کہ اب تک میں کھانے پینے کی طرف سے محتاج نہیں ہوں مگر حالت یہ ہے کہ ماشاء اللہ نور چشم سید حسین خاں صاحب عیال و اطفال اس پر ان کا جو ان کا خرچ اگرچہ میں نے تھوڑی سی اپنی آمدنی بھی قبل ان کی کلکتہ والی شادی کے انہیں کو لکھ دی تھی تاہم مجموعہ میرا اب تک گو کہ میرا قبضہ ہے لیکن اپنی ذات میں بجز دس روپیہ مہینے سے زیادہ خرچ نہیں کرتا اور خرچ کروں تو کیونکر دو سو روپے ماہوار سے زیادہ نہیں

ہے۔ اسی میں ان کے لئے گاڑی گھوڑا بھی چاہیئے۔ مزید براں میری کلکتہ والی لڑکی بھی اب میرے پاس آگئی ہے اس کی ماں کے کل زیورات و اسباب ماموں نے تصرف کئے۔ بیک بینی و دوگوش وہ یہاں آئی' اس کی شادی کی فکر جدا سوہانِ روح ہے۔ پھر جس حیثیت کا میں تنہا میں ہوں آپ خوب جانتے ہیں اسی حیثیت کے ساتھ کم و بیش شادی کرنا۔ دیوان اور متفرق تصنیفیں ڈھیر کا ڈھیر پڑی ہیں' ان کے چھپنے کو معتدبہ روپے درکار ہیں۔ دو دفعہ کلکتہ والوں نے مجلس پڑھوانے کو بلایا' کئی سو روپے اپنے پاس سے اس میں خرچ ہوگئے۔ پھر اپنی اور حیثیت قائم رکھنے میں جو جو دشواریاں اس کبر سنی میں لاحق ہیں آپ سمجھ سکتے ہیں۔ حال کا تذکرہ ہے کہ پٹیالہ کے خلیفہ سید محمد حسین خان صاحب کلکتہ سے جب لوٹے تو آرہ و گیا اسٹیشن پر مجھ سے ملے اور نہایت اصرار اور خلوص سے مجھ سے وعدہ لیا کہ پٹیالہ آؤں اور مجلسیں پڑھوں اور میں نے وعدہ بھی کر دیا پھر وہاں سے انہوں نے تار بھی دیا اور میں نے سکنڈ کلاس ریزرو بھی کر لیا مگر عین وقت پر تار آگیا کہ وہاں طاعون کی شدت ہے اس لئے رُک گیا' ورنہ اس سفر میں بھی تین چار سو روپے اپنے خرچ ہو جاتے کیونکہ مجھ سے یہ کبھی نہ ہوتا کہ خط لکھ کر راہ خرچ منگاتا اور وہ بھی یہ سمجھ کر کہ خود مستطیع ہوں کبھی کچھ نہ دیتے۔ ایک دنیا مجھ سے یہی کہتی ہے کہ حیدرآباد ضرور جاؤ' اور میں خود بھی متمنی ہوں' لیکن یہ سوچتا ہوں کہ وہاں جانے میں میرے سے شخص کے لئے پانچ سو روپے درکار ہیں۔ فرض کیجئے کہ وہاں گیا تو اول تو آپ کے سوا میرا کون ہے' آپ کے گھر میں اُترا تو آپ کو مفت زیر بار کیا' اور اس کی تو نیاہر کوئی صورت نہیں کہ میرے سے شخص کو نظام کلب خواہ اور کہیں جگہ مل سکے با ایں ہمہ جو کیفیت وہاں کی سنتا ہوں اگر واقعی صحیح ہے تو مفت پانچ سو روپے خرچ ہوئے اور حیرانی الگ ہوئی۔ ہاں میں یہ کیوں کہ وہاں کے اُمرا بھی خواہاں اور سخن فہم اور قدر شناس ہیں تو پلا سے اتنا خرچ بھی سہی' ان سب باتوں کا جواب آپ سے مفصل چاہتا ہوں۔

اب اگر فرض کیجئے کہ حیدرآباد میں مصمم قصد بھی کر لوں تو غالباً فریزر صاحب لفٹنٹ گورنر سے میں کہوں گا' اگر انہوں نے کوئی چٹھی حسب خواہ ریزیڈنٹ کے نام لکھ دی تو بھی ایک بات ہے ورنہ اگر مذکورہ بالا اُمور کے جواب آپ سے مجھ کو تشفی آمیز مل گئے تو آخر جولائی تک انشاءاللہ قصد کروں گا' اس خط کا جواب مفصل آپ تحریر فرمائیں تو بقیہ حالات بھی عرض کروں گا۔

اپنے گھر میں میرا سلام اور دعا فرما دیجئے اور اس سفر وسیلۃ الظفر کی کامیابی پر مبارکباد دیجئے۔ نور چشم سید حسین خاں اور ان کی دلہن اور ان کی لڑکی اور میری لڑکی آپ کی اور آپ کے گھر میں کی خدمت میں عاجزانہ تسلیم بجا لاتے ہیں۔

کچھ معلوم نہیں کہ ہمارے سید حسن رضا خان صاحب کس طرح ہیں' اخوی سید جعفر حسین صاحب پرسال سے فالج میں مبتلا اور بالکل از کار رفتہ ہو گئے۔ دماغ بھی سالم نہیں ہے۔ عمر کم طویل و عدد کم ذلیل۔

خاکسار
سید علی محمد شاد

—— (۲) ——

بھائی صاحب محترم برادران ۔ دام اجلالکم ۔

تسلیم بالتکریم جب سے آپ تشریف فرما ہوئے اُسی دن تیسرے پہر سے کو شدید تپ آئی۔ نمونیا سیاہ ہو کر حجاب برآمد ہوئی ہنوز اطمینان تھا کہ خود سید صاحب ایک سو پانچ درجہ کی تپ اور شدید درد سینہ میں مبتلا ہوئے۔ گیارہ دن تک موت و حیات کے تذبذب میں کٹے جس دن کسی قدر رد صحت ہونے کے سلطان بزانیہ کا سخت تپ تھے' نمونیا میں آٹھ دن مبتلا رہ کر چیچک نمودار ہوئی اس کے ساتھ ساتھ دونوں لڑکیاں مبتلا ہو گئیں' غرض تو اس بجا نہ رہے۔

مگر کسی دن سوانح کے کام سے غافل نہ رہا تعجب ہے بد تمیزی اور دو توں کی حالت لکھ چکا تھا تبا عنقریب آپ کی نظر سے گذرے گا۔

غزلیں تو آپ نے مجھ سے چھین لیں، کاش میرے پاس ہوں تو وہ بھی مرتب کر دیتا۔ احمد علی خان صاحب کے بھی پوتا علیل ہے خراب اتفاقیہ ان کے داماد بھی تپ میں آجاتے ہیں۔

شکور مختار کئی دفعہ میرے پاس آئے وہ چاہتے ہیں کہ میرے ہاتھ میں کچھ روپے ہوں تو مجبور اور گیا بار نقلیں وصل کروں شاید جیسی کیس میں فہرست مواضعات و نقول کا غذات ضروری حاصل ہو جائے۔

میں نے جس کاتب کو ملازم رکھ لیا ہے عید کرنے بہار گیا تھا شاید کل پرسوں واپس آجائے تو میری محنت آدھی رہ جائے گی۔

ایک مصیبت یہ ہے کہ یہاں کی یونیورسٹی ترقی زبان اردو کے خیال سے ایک جامع کتاب مجھ سے لکھوانا چاہتی ہے، دیکھئے کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

سب سے بڑھ کر ایک خبر یہ دیتا ہوں کہ ڈاکٹر محمود بیرسٹرایٹ لا مقیم پٹنہ نے اپنے خط میں حیدرآباد کے ایک صاحب صدر المہام کا خط میرے پاس بھیجا ہے۔ بیرسٹر صاحب نے میری ہمدردی سے ان کو لکھا تھا کہ مجکو خواہ میرے کسی تصنیف کو حضور نظام تک پہنچا دیں، اس کے جواب میں صدر المہام صاحب لکھتے ہیں کہ میں سفر حج کے لئے رخصت لے چکا ہوں صحیح رائے یہ ہے کہ حضرت شاد ایک قصیدہ حضور کی شان میں لکھیں، جس پر سر علی امام صاحب کا استشہاد ہو تو یقیناً کامیابی ہوگی۔ ایک خبر یہ تھی گذارش کر دی۔

دعا گوئے دلی

السید علی محمد شاد ۲۰ مئی ۱۹۱۱ء

مکرر، بھولا ہوں۔ ایک پرچہ نگار نامی نکلتا ہے کسی صاحب ام۔ لے نے شاد عظیم آبادی و اکبر الٰہ آبادی کا موازنہ کیا ہے، قابل دید ہے ضرور ملاحظہ کیجئے۔

مضمون لفافہ

حیدرآباد دکن ہمایوں نگر، جعفرا منزل۔

بگرامی خدمت سراپا فرحت اخی بجیبۃ قلبی محترمی جناب مسٹر سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ روحی لہ الفدا

(شاد منیر)

شاد مرحوم کا مکتوب ڈاکٹر سید محمود کے نام

(عطیہ جناب مولانا سید بارت علی شاہ ندوی صاحب)

ندیم کے بہار نمبر ۱۹۳۶ء کی ترتیب کے سلسلہ میں مخدومی ڈاکٹر سید محمود صاحب زاد مجدہٗ سابق وزیر تعلیم صوبہ بہار وحال اسیر زنداں کی عنایت فرمائی سے مشرق ومغرب کے ممتاز مشاہیر کے مکاتیب کا جو قیمتی ذخیرہ حاصل ہوا تھا وہ ناظرین ندیم سے پوشیدہ نہیں، ان میں علم وادب کے بہت سے انمول جواہر بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے ان کا مفصل تذکرہ ندیم کے بہار نمبر میں کیا جا چکا ہے۔

ان میں سے چند انمول جواہر ندیم کے بہار نمبر میں پیش کئے گئے تھے۔ پھر وقتاً فوقتاً آثار ادبیہ کے زیر عنوان ندیم کے ناظرین کی نذر ہوتے رہے۔ جب راقم السطور ندیم کی خدمت سے سبکدوش ہوکر دارالمصنفین واپس آنے لگا تو مخدومی ڈاکٹر صاحب موصوف کا مکتوب گرامی ملا کہ ان کے کاغذات کو اعظم گڈھ لیتا جاؤں، وہ کسی سلسلہ میں یہاں تشریف لائیں گے اور یہ ودیعت واپس لے لیں گے۔ لیکن موصوف کی علالت، پھر گرفتاری کے باعث اس کا موقع نہ آسکا، اور یہ ذخیرہ راقم السطور کے پاس اب تک امانۃً محفوظ رہا۔

ابھی چند دن ہوئے مخدومی سید حسن امام صاحب نے ندیم کے شاد نمبر کے نکالنے کی خوشخبری سنائی اور اس میں حسب مقدور حصہ لینے کی ہدایت فرمائی، اس وقت حضرت شاد مرحوم کا ایک مکتوب یاد آیا جو اس ذخیرہ میں محفوظ تھا، یہ مکتوب ہمارے لئے اپنے اندر بڑی عبرتیں پنہاں رکھتا ہے کہ ہمارے اکابر کیسی مخالف ماحول اور غیر معمولی پریشان حالیوں کے باوجود کس غیر معمولی دماغ، سکون خاطر اور دلجمعی سے اپنی عمر کے آخر سے آخر لمحوں تک علم وادب کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ نیز اس مکتوب میں ان کے جستہ جستہ بعض فقروں سے ان کے مختلف رجحانات وخیالات بھی آشکارا ہوتے ہیں، جن سے حضرت شاد مرحوم کے متعلق بہت سی نئی واقفیتیں اور ان سے ان کو سمجھنے میں آسانیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اس لئے شاد کا یہ مکتوب بھی ہمارے لئے ایک نادر علمی تحفہ بن گیا ہے، اور وہ شاد نمبر کی مناسبت سے ذیل میں ندیم کے ناظرین کی خدمت میں تحفۃً پیش ہے:-

۲ اگست سنہ ۱۹۲۲ء

عظیم آباد - پٹنہ

میرے مخدوم سید السادات روحی فداکم — تسلیم بصد شوق وتکریم

گرامی نامہ نے سرفراز کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جمیع آفات ارضی وسماوی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔

اول روز سے مجھ کو جو اعتقاد آپ سے ہے وہ تو مٹنے والا نہیں ہے چاہے آپ کا سرفراز نامہ آئے نہ آئے مجھ

وشرافت کا مجسم نمونہ اگر میں نے کسی کو پایا تو آپ کو۔ سادات کے غلاموں میں چونکہ میرا بھی شمار ہے اس لئے خون ایک اشتراک ایک۔ میں بخدا اپنے بھائی سے کچھ بھی کم آپ کو نہیں جانتا۔ میری مختصر حالت یہ ہے کہ آج کل اس بیماری و ضعف اور ۸۰ برس کی عمر میں کسی طرح دس گھنٹے سے کم مسودہ کرنے، صاف کرنے، کاپیوں پر نظر ثانی کرنے، پروف دیکھنے میں نہیں گذرتا۔ جب زندگی کی طرف سے یاس ہو گئی تو دل نے کہا کہ جس طریقہ سے ہو خود کو بیچ کر بھی یہ چند کتابیں تو چھپوا دو۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے ایک کتاب کی نسبت تصنیف کرنے کو ارشاد کیا تھا۔ مگر غور کیا تو مستقل کتاب اسی ایک مضمون پر شاید ویسی بااثر نہ ہوتی اس لئے تاریخ صوبہ بہار میں ضمناً ان سچی و سندی باتوں کو موقع کے ساتھ جابجا درج کر دیا۔ مسلمانوں نے آج تک ہندوؤں کے فلسفہ، مذہب، روایات و نقلیات وغیرہ کو نہ دل لگا کر بڑی دماغ سوزی سے غور کیا، کا فرواجب القتل سمجھتے آئے۔ یہ تاریخ ہے صوبۂ بہار کی، اور باتیں بھی سب صوبۂ بہار کی درج کی ہیں، مگر پانچ جلدوں میں ہیں۔ ازاں جملہ پہلا حصہ ضمیمہ تاریخ اس کی پوری ایک جلد ہے۔ دوسرا بہار بھر کا جغرافیہ، ابتداء سے ہر ضلع کا شروع کیا ہے، ایک پوری جلد ہے۔ اس ... باقی تین جلدیں ہیں۔ دوسرا دیوان غزلیات ہے ستر جزوں میں ایک حصہ بیس جزوں کا اور دس جزوں کا ضمیمہ فلسفہ شاعری وغیرہ وغیرہ کے بیان میں ہے۔ بعض سخت متعصب احباب نے مجھ کو مشہور کر دیا ہے کہ اس کا اعتقاد ہندو مذہب کے ساتھ ہو گیا ہے۔ مگر حق تو یسی سے مجھکو چارہ نہیں۔ یہ بالکل نئی ضد اور کا پلاٹ میری رپٹ اور ضمیمہ دیوان میں آپ پائیں گے۔ یہ نا تمام دیباچہ اور چند ورق چھپے ہوئے ضمیمہ تاریخ کے آپ کی خدمت میں حاضر کر رہا ہوں اسی سے کچھ پتا مل جائیگا۔ توکلت علی اللہ چالیس روپے ماہانہ پنشن اور پچیس روپے کے مقرر کرنے ہی پیش نظر چھپوا رہا ہوں تراسی روپے بعوض ایک ہزار روپے ماہانہ پنشن کے جو ایک تنبطلی دو برسوں کے کمپنی نے قبول کئے تھے اور میری نانی تک یعنی ۱۸۵۷ء تک ملتے رہے مجھ کو لٹریری اور ذاتی پنشین کے نام سے سرکار مرحمت فرماتی ہے اور یہاں صرف جواہرات میں پانچ روپے روز کا خرچ ہے، نتیجہ ہوا، یہاں سے جا تو پانچ روپے دیدو، ورنہ فاقہ ہے، قرض کہاں تک آخر گھر کو گرو کر کے دو ہزار قرض ادا کئے، پانچ سو روپے رہ گئے۔ میرا حقیقی پوتا بلکتا ہوا آیا، ذرا تقریر ملاحظہ ہو۔

لڑکا :- ابا جان ! مہاجن کا لڑکا کہتا ہے کہ گھر تمہارا کیسا ؟ اب گھر تو میرا ہے، ہم تم لوگوں کو نکال دیں گے۔

ہم : تو ہم لوگ رہیں گے کہاں ؟ مہاجن کا لڑکا :- اپنے اصطبل میں پڑے رہنا۔ تمہارے دادا تو چند دن میں مر جائیں گے۔ بس یہ سب میرا ہو جائیگا ــــ کیوں ابا جان یہ سب سچ ہے ؟ میں بے اختیار رونے لگا ــــ یہ تو حالت ہے اس پر ریاضت، محنت اور پھر علاوہ گھر کے تین چار سو روپے ماہانہ تاریخ کی کتابوں کے لئے چالیس روپے سر پہ اور چڑھا لئے۔ ایک دن بہت گھبرایا تو فارسی والا قطعہ جس میں خود نظام مخاطب ہیں، اخبار خالافت میں چھپنے کو بھیج دیا۔ ایڈیٹر صاحب نے (پتی) ہمدردی سے بھیج بھی دیا مگر نقار خانہ میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ مثنوی کی تبدیلی کوئی بڑی بات نہیں، مگر منضبط ہو جائے تو کیا مشکل ہے، اس میں شک نہیں کہ آپ سے زیادہ میرا ہمدرد دکھائی نہیں دیتا مگر آپ میری زندگی کو خضر کی زندگی سمجھے ہیں، یہاں خون پانی ہوا جاتا ہے۔ سخت مشکل یہ ہے کہ تاریخ میں جابجا پرانے لوگوں اور بادشاہوں کا فوٹو الگ دینا ہے اور نگزیب پر جو داغ مورخوں نے لگایا ہے، ضمیمہ کے شروع میں حقیقت کو کھول دیا ہے، اکثر جگہ حقیقت حال ہی کہہ کر کافی ہو گیا ہے، تاریخی شہادتیں میرے پاس بہت ہیں۔ سکھوں کے فساد ہوئے تو دو مسلمانوں پر ... برادران سکھ انتہا کو رہے ہیں، آئندہ اس کا بیان اور حالات ... آپ پڑھیں گے ساتھ اس طریقہ سے نہیں لکھا ہے کہ تاریخ جوں گٹھا مباحثات ہو جائے۔ افسوس کہ ... کر رہے ہیں ... کی

نقل ہے کہ صبح کو ادھر تو پریس مین آکر کھڑا ہوا کہ مجکو پانچ روپے آج دیجئے ساتھ ہی پانچ روپے برات کے مانگے گئے۔ اسی کے ساتھ بزم کی مجلس کا خرچ طلب ہوا (اگرچہ میرے خیال میں یہ خرچ ضروری نہیں مگر اوروں کو کیونکر سمجھاؤں) اور پاس کل دو روپے، ناچار انگوٹھی سترہ روپے کو گرو کر کے جان چھڑائی۔ اور مسودہ لکھنے بیٹھ گیا۔ کیسی مجلس، کہاں کا حرم۔ مجکو یہ پڑی ہے کہ کتابیں چھپ جائیں اور کوئی صورت ہو کہ بچے فاقے نہ کریں۔ اس شہر کے انسان دوست انگریز حاکم مسٹر اولڈہم کمشنر نے اس پنشین کے لئے اپنے رپورٹ سرکاری میں یہ فقرات لکھے ہیں کہ "سات برس کے تجربہ میں ہم نے صرف اسی ایک کو منتخب کیا ہے۔ میری تحقیق میں سراج الدولہ آخر فرماں روائے بنگالہ و بہار کی اولاد میں اگر کوئی باقی ہے تو یہی شخص ہے یا اس کی اولاد پانچ سو روپیہ ماہانہ سے کم میں اس کو آرام نہیں مل سکتا۔" تعجب ہے کہ ایک انگریز یوں لکھے اور قسمت دیکھئے کہ بعوض اس کے ملے وہ بھی ذاتی اور لٹریری پنشین ہو۔ اور تدبیر جو کچھ میرے لئے آپ کریں گے مجکو اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے؛ آپ ہی وہ شخص ہیں کہ کر کے چھوڑیں گے۔ ایک چیز کی فرمائش کرتا ہوں اور اس تکلیف کی دست بستہ معافی چاہتا ہوں۔ برسوں سے میرے چائے پینے کا سامان غارت و گول ہو گیا۔ شیشے کے استکان آپ نے مجھے چھوٹا سا چائے دان کلکتہ میں ڈھونڈوایا، نہ ملا۔ ایک صاحب نے مستحکم وعدہ کیا کہ دس روپے کے اندر میں خرید کر کے بھیجیں گے سے عنقریب بھیجتا ہوں، کیسا بھیجنا اور کہاں کا وعدہ۔ میں نے ان کو لکھا تھا کہ کسی معتبر دوکاندار یا دست فروش سے کہہ دیجئے کہ وہ باختیار خود رکھ کر ویلو میرے نام کر دے۔ دس بارہ سے قیمت زیادہ نہ ہو مگر تو اسی کے لئے میں اتنی زحمت دیتا ہوں کہ یا تو آپ کسی شریف سے فرمائش کر دیں کہ وہ میرے نام ویلو کر دے یا کسی ایسے شخص سے ذکر شناسا کر دیجئے کہ میں خود اس کو خط لکھوں۔ مجکو دیدہ تصانیف کے اگر کسی چیز کا شوق ہوا تو استکان کا مگر رنگین نہیں سادہ۔ میں اس کا یقین کرتا ہوں کہ اس دفعہ ہزار عدیم الفرصتی ہو مگر از راہ ہمدردی برادر نوازی آپ میرے اس خط کا مفصل جواب لکھیں گے۔ اور سنئے آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ میں بھائی سید کو بھوکوں مرنے نہ دونگا۔ سید ندیم مرحوم اس فقرہ پر بیخ بیخ کے خوب روئے اور خدا جانے کتنی دعائیں دیں اور کتنی دفعہ اس کو پڑھا۔ خدا آپ سے جلد ملائے اطمینان قلب کا خیال مجبور کرتا ہے کہ بہت لکھوں کہ کچھ کیجئے اور جلد کیجئے۔ خدا جانے میرا فارسی کا قطعہ اخبار خلافت والا میہ آباد میں کسی نے پڑھا بھی یا یاد ہوائی ہو گیا۔ زیادہ عمر کم طویل برب الجلیل۔

خاکسار السید علی محمد شاد

(شاد نمبر)

علامہ شبلی نعمانی کے چند غیر مطبوعہ خطوط

(بنام مولوی سید ولی الحق صاحب سندا احتشؔ پٹنہ)

مولوی سید ولی الحق صاحب مرحوم ذی علم لوگوں میں تھے۔ علی گڈھ، ندوہ اور انجمن ترقی اُردو وغیرہ کی تحریکوں میں عملی حصہ لیتے تھے۔ مولانا مرحوم سے اُن کی مکاتبت رہتی تھی۔ مولوی سید محمد عثمان صاحب ابدالی اسلام پوری نے مولانا مرحوم کے چند خطوط جو مولوی ولی الحق صاحب کے نام سے ہیں، نقل کرکے بھیجے ہیں۔ وہ شائع کیے جاتے ہیں۔ یہ خطوط مکاتیب شبلی کی دونوں جلدوں میں سے کسی میں بھی شائع نہیں ہوئے ہیں۔

"مدیر"

(۱)

جناب من۔

آجکل محمد وجہ الدین) کی نسبت آپ کو سجاد مرزا صاحب نے دفتر[1] کی طرف سے اطلاع دی ہوگی، اخبار میں نام انگریزی حرف میں بھی بھیجے گئے تھے، لیکن اُنہوں نے کاہلی سے اُردو پر اکتفا کیا! رپورٹ کی کاپیاں بہت کم رہ گئیں، یہاں کچھ نہیں ہو سکتا، اگر خدا نے یہاں سے نجات دی تو جس قسم کی تاریخ آپ چاہتے ہیں لکھ سکونگا۔

تمدن عرب وغیرہ سطحی کتابیں ہیں، ان کے مصنفین خود عربی نہیں جانتے، سنی سنائی باتیں لکھ دیتے ہیں۔ یورپ کے مصنفین میں بہت کم عربی دان ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کی تاریخیں لکھی ہیں۔ والسلام

شبلی۔ ۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۰ء

حیدرآباد دکن

---

[1] ندیم یعنی دفتر انجمن ترقی اُردو، تمدن سے مکتوب الیہ نے مولانا کو لکھا تھا کہ مستند روایتوں سے مسلمانوں کے تمدن پر ایک کتاب کی ضرورت ہے۔

(۳)

یورپ کی کتابیں ایں تو مسٹر آرنلڈ کے ذریعے   منگاتا ہوں ۔ لیکن آپ براہِ راست بریل شہر لیڈن واقع ہالنڈ سے منگوا سکتے ہیں ۔ پہلے خط کتابت کر لیجئے انگریزی زبان میں لکھنا ہوگا۔

علم الکلام ، رعد کی بنجرہ میں ہے شاید مہینہ بھر میں نکلے ۔

شبلی ۔   ۷ جولائی ۱۹۰۳ء

(۳)

مکرمی ۔

میں سخت بیمار ہوں

یہ محض لغو ہے کہ انجمن کا رسالہ ندوہ میں ملا دیا جائے گا ۔ ابھی سرے سے رسالہ کا قصد ہی نہیں کون چلا جائیگا۔

ایران فارسی کی کتابیں حسب ذیل پتہ سے مل سکتی ہیں ۔ آقا محمد شیرازی ۔ محلہ امر کھاڑی نمبر ۱۲۹ بمبئی ۔

شبلی ۔   ۱۰ جولائی

(۴)

از دفتر انجمن ترقی اُردو   ۲۷ جولائی ۱۹۰۳ء

مخدومی ۔۔

مولوی محمد اقبال صاحب[1] ایم ۔ اے نے جو مفصل رائے آپ کے ترجمہ کی نسبت بھیجی ہے ، وہ بعینہ ارسالِ خدمت ہے ۔ میرے خیال میں آپ زیادہ توجہ سے ترجمہ فرمائیں گے ، اور اصل مطلب کو سلجھا کر ادا کرنے کی کوشش کریں گے ، تو اس سے بہتر ترجمہ کر سکیں گے ۔ محمد اقبال صاحب کا خط بعد ملاحظہ واپس فرما دیجئے ۔

اور جو امور انہوں نے ترجمہ کے متعلق لکھے ہیں ان پر اپنے خیالات سے مطلع فرمائیے ۔

شبلی ۔   سکریٹری

(۵)

مکرمی ۔

خط پہنچا ۔ یہی شبہ یہی مناسب تھا کہ صرف اعتراضات آپ کے پاس لکھ کر بھیج دیئے جاتے ۔ لیکن آپ سے صرف یگانگت[2] کا برتاؤ کیا گیا ۔

ترجمہ کے جانچنے والے بہت سے لوگ ہیں ۔ مولوی نذیر احمد صاحب ۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب مولوی عزیز

ع۱ ندیم یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبال ۔ ندیم

ع۲ ندیم ۔ اُردو کی وسعت و ترقی سے دلچسپی رکھنے والوں کیلیے یہ قابل لحاظ ہے کہ مولانا مرحوم نے آج سے پینتیس برس پہلے یگانگی کے بجائے یگانگت لکھنے کو جائز سمجھا ۔ ع۲ (ایتھکس Muirhead's Ethics) میورہیڈس ایتھکس) کا ترجمہ ۔ " عثمان "

مرزا صاحب۔ مولوی مسعود علی صاحب وغیرہ۔ لیکن مترجمین کو کسی خاص شخص کے تعین اسم سے مطلع نہیں کیا جاتا۔

افسوس ہے کہ آپ نے مناظرہ کی روش اختیار کرلی۔ آپ کو صرف سادہ جواب لکھنا کافی تھا۔ پروفیسر اقبال کو کوئی مخاصمت مقصود نہ تھی۔ وہ بہت نیک نفس آدمی ہیں انہوں نے جو پوچھا تھا کہ آپ نے فن اخلاق کی اسٹڈی کی ہے یا نہیں، اس قسم کی استفسار قرن اول میں معمول تھا، آپ نے اس کے جواب سے سکوت کیا۔ کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا ترجمہ سب سے اچھا ہے۔ یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ اور کن کن لوگوں کے ترجمے آئے۔ بہر حال آپ ترجمے شروع کریں، اور خوشخط لکھوا کر اس کے اجزا بھیجتے جائیں، تاکہ دوبارہ نظر ثانی کی جا سکے، اور خفیف تغیرات کی اگر ضرورت ہو تو اس کا موقع مل سکے۔

شبلی۔ ۲۴ اگست ۱۹۰۴ء

(۶)

تسلیم

آپکی ہمدردی کا شکریہ۔ کیفیت یہ ہے کہ میں نہ اچھا ہوں نہ بیمار۔ بیمار اسلئے نہیں کہ چلتا پھرتا ہوں۔ اچھا اس لیے نہیں کہ کسی کام کا نہیں۔ گردن کی رگوں میں تشنج ہوتا ہے، جس کا اثر دماغ پڑتا ہے۔ ہزار حواس کو مجتمع کرتا ہوں نہیں ہو سکتا۔

ایک نائب اپنا مقرر کیا ہے۔ شاید اس سے کچھ کام چلے۔ والسلام

شبلی۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء

(حیدر آباد)

(دسمبر، ۱۹۳ء)

(۷)

کرمی

خط پہنچا۔ ہاں شرکت کانفرنس نصیب نہ ہو سکی۔ لیکن اب میں بالکل آزاد ہوا چاہتا ہوں۔ پھر اس قسم کے دل افزا نقصانات نہ ہونگے۔ میرا استعفا مدار المہام نے منظور کرلیا ہے۔ حضور کی منظوری باقی ہے، وہ بھی دو تین ہفتہ میں آجائے گی۔

میری علالت کا سلسلہ چلا جاتا ہے، تصنیف و تالیف بالکل بند ہے۔ ضروری خطوط مشکل سے لکھتا ہوں۔ گردن کی رگوں کا تشنج نہیں جاتا۔ مولوی نذیر احمد صاحب کی بیجا آزادیوں کو ان کے سوا اور لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ کلکتہ میں پریسیڈنٹ نے انکو چند دفعہ سختی کے ساتھ روکا۔ میں انشاءاللہ بقیہ زندگی علی گڈھ میں بسر کرونگا اور ساتھ ہی ندوہ کو بھی تا امکان مدد دونگا۔

الکلام اخیر تصنیف معلوم نہیں آپ تک پہنچی۔ یا نہیں۔
والسلام
شبلی، حیدرآباد۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۰۵ء

(۸)

مبارک باد کا خط پہنچا۔ آپ صاحبوں کی قدر دانیاں مجکو (مجھ کو) اس حد سے زیادہ مغرور نہ کر دیں۔
بہر حال شکریہ عرض ہے۔

شبلی، ۱ر مارچ ۱۹۰۵ء

(جنوری ۱۹۳۸ء)

(۹)

جناب من۔

مدت کی پریشان گردی کے بعد، لکھنؤ میں اب قدم جمے ہیں۔
ندوہ بہت ابتر ہو گیا تھا، اس کو سنبھالنا اور ٹھیک رستہ پر لانا چاہتا ہوں۔ اسی کی مصروفیت کی وجہ سے، الندوہ بھی معطل پڑا ہے، وہ بھی اب جدید نظم و نسق اختیار کرے گا۔
تصنیف کا مطلق وقت نہیں۔ سوانح مولانا روم زیر طبع ہے۔
مجموعہ نظم اب تک طیار نہیں ہوا۔ والسلام

شبلی

۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء

(۱۰)

لکھنؤ۔ ندوہ۔

کرمی۔

میں ندوہ کی سفارت سے کرنال گیا تھا۔ اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ کل پھر اسی قسم کی تقریب سے گیا جاتا ہوں۔ پٹنہ کا بھی قصد ہے۔ اگر آپ وہاں ملیں تو کیا اچھا ہو: زبانی تمام الفاظ میں یہ تفصیل معلوم ہوں گی۔ ورنہ سفر سے واپس آکر مفصل لکھ سکوں گا۔

شبلی۔

۲۵ جولائی ۱۹۰۵ء

(فروری ۱۹۳۸ء)

مہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ
کے
دو غیر مطبوعہ خطوط
بنام
جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب ام۔ اے پی۔ ایچ ڈی سابق وزیر تعلیم صوبہ بہار

مکتوب مولانا شوکت علی مرحوم

بنام

جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب ام اے پی اچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا

الجمعیۃ المرکزیۃ الھندیۃ للخلافۃ الاسلامیہ (بمبئی) 2nd Septr 1920
The Central Khilafat Committee of India, Bombay.

اللہ اکبر

برادرم محمود۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں کل یہاں پہنچا ہوں اور غالباً ۲/ اکتوبر تک یہاں قیام کروں گا۔
محمد علی ۱۰/ اکتوبر کو مع مولانا ندوی۔ حیات اور مولانا ابوالقاسم کے پہنچیں گے۔ وہ ۱۷/ ستمبر سے پہلے
روانہ نہ ہو سکے۔ تمہیں امید ہے۔
بھائی ہماری ذمہ داریاں اب بہت بڑھ گئی ہیں۔ اور ناگپور کے اجلاس سے پہلے ہم کو یہ ہندوستان کو ہی نہیں
بلکہ دنیا کو دکھا دینا ہے کہ ہم مسلمان اپنے مقدس مذہب کے لئے ہر چیز قربان کر دینگے۔ اور اس کا عملاً ثبوت بھی دے سکتے
ہیں۔ اب آرام کا وقت گیا۔ گھر سے ہو آؤ مجھے اس کا ڈر ہے کہ ہماری کاہلی ہمارے لئے باعث شرم نہ ہو۔
ترک موالات کو کامیاب بنانے کے لئے علاوہ سخت محنت اور دورہ کیلئے روپیہ کی بھی ضرورت ہے۔ اسکے لئے
بھی کوشش کرو۔ ہجرت کے کام کے لئے بھی ایک بڑی رقم کی ضرورت ہو۔
اپنی مایوسی کو چھوڑ دو اور کمر ہمت باندھو بقول شاعر ؎

گر دم کا بھی دم بھرتا ہے احسان تو کس پر دھرتا ہے :: اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔

قضیۂ نادرِ خطوطِ غالب

(از پروفیسر رسا ہمدانی)

["نادر خطوطِ غالب" پر مالک رام صاحب اور قاضی عبدالودود صاحب نے شکوک کا اظہار جس پیرایہ میں کیا تھا۔ اسکے بعد مجھے جواب کی امید بہت کم تھی۔ پروفیسر رسا صاحب کیجانب سے جب مدت گزری ہوئی تو توقع و تاخیر مجھے اور بھی مایوس کر رہی تھی، اگرچہ جناب نظام بہاری کا مضمون بروقت مل گیا تھا اور پھر ایک سلسلۂ مضامین کا شروع ہو گیا، جن میں سے مولوی مقصود عالم صاحب وکیل سیوان اور جناب مسعود حسین رضوی صاحب گورکھپوری قابل ذکر ہیں۔ مگر مجھے اصرار تھا کہ ہلاک کے لئے مضامین شائع نہیں کرونگا، میری رائے تھی کہ خود پروفیسر رسا ہمدانی کو جواب کی زحمت گوارہ کر لی چاہیے۔ قابل افسوس تاخیر کے بعد دونوں مضامین حاصل ہوئے۔ جو اب ناظرین کے سامنے ہے۔ مالک رام صاحب کا اعتراض کہ ۱۸۶۱ء تک ایک پیسہ یکانی روپیہ کے نوٹ جاری نہیں ہوئے تھے اگر صحیح ہے تو اسکا تشفی بخش جواب نہیں دیا گیا ہے۔ ادارہ]

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی ‎ ‎ ‎ ‎ ‎ اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

نادر خطوطِ غالب پر سب سے پہلے اعتراضات مالک رام کی طرف سے جامعہ کے پرچے میں شایع ہوئے، مگر میں نے ان اعتراضات کا جواب اس وجہ سے نہیں دیا کہ غیر صوبہ کے متعصب حضرات کبھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ دلی کے باہر شعرا کے فیوض کی نسبت صوبہ بہار کے شعراء کی طرف ثابت ہو سکے۔ اس کے علاوہ وہ خود انہیں خطوط کے خریدار تھے۔ اور جب یہ خطوط انکو ان کے دلی دوست (جن کا نام انہوں نے بالقصد اپنے مضمون میں چھپا رکھا ہے) کی معرفت نہ مل سکے تو اپنے دل کی بھڑاس انہوں نے اعتراضات کی شکل میں نکالی جو جامعہ کے پرچے میں شایع ہوئے ہیں۔ اسوقت میرے سامنے معاصر کا وہ پرچہ رکھا ہے، جس میں میرے صوبہ کے سب سے مشہور ناقد قاضی عبدالودود صاحب نے نادر خطوطِ غالب پر اظہار خیالات کئے ہیں، ان کے اعتراضات بھی قریب قریب وہی ہیں جو جامعہ میں شایع ہو چکے ہیں، صرف بعض جگہ ان میں کچھ تبدیلیاں ہیں، اور دو ایک جگہ پر تبدیلیاں ہیں۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ صوبہ بہار کے لوگ اپنے باکمال بزرگوں سے اس قدر غافل ہیں، اور اتنی بے اعتنائی برتتے ہیں کہ بے اختیار رونا آتا ہے۔ اگر بہار والے کبھی شاد عظیم آبادی، حکیم عبدالحمید عظیم آبادی جد ڈاکٹر عظیم الدین پی ایچ ڈی۔ شوق نیموی۔ آزاد شاہ مونگھیری۔ شاد نیم پٹنوی وغیرہ وغیرہ کی بہترین تصنیفیں شایع ہو گئی ہوتیں، اور زمانہ دیکھ لیتا کہ مذکورہ بالا حضرات کس پایہ کے تھے۔ اب قاضی عبدالودود کے الفاظ ملاحظہ ہوں "کرامت کے متعلق ایک عزیز نے بہار شریف میں جو کرامت کا وطن ہے، تحقیقات کی، ان کا بیان ہے کہ وہ بار شاعر کی حیثیت سے انہیں کوئی نہیں جانتا، معلوم نہیں کن حلقوں میں انکی شہرت تھی" ‎ ‎ ‎ ‎ بہار شریف عظیم آباد و پٹنہ

وجہ نہیں۔ اگر قاضی عبدالودود صاحب خود سے تحقیقات فرماتے تو کیا نقصان ہو جاتا۔ زمانہ کے دست برد سے ہر بڑا شخص چھوٹے سے چھوٹا بن جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ حضرت کرامت ہمدانی مرحوم کا خاندان مٹ گیا۔ دولت ضائع گئی، اولاد میں سوائے اس حقیر کے کسی نے علم حاصل نہیں کیا اور اب جو پس ماندہ افراد رہ گئے ہیں وہ ایسی زندگیاں بسر کر رہے ہیں کہ جن کا ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قاضی صاحب نے دریافت کرنے والے سے یہ الفاظ سنے کہ کرامت ہمدانی کون ہو گئے ہیں جسے کوئی نہیں جانتا۔" میں بتائے دیتا ہوں کہ حضرت کرامت ہمدانی اگر شاعر نہ ہوتے تو [illegible] جناب اقبال جیسے شاعر شیریں مقال خویش نواب مرزا شوق و شاگرد صبا و آتش لکھنوی بہ حیثیت شبیب صاحب کے انکے یہاں مقیم نہ ہوتا۔ افسوس بہار شریف کے بہترین شاعر جانشین ازل لکھنوی مرحوم یعنی حضرت بشارت حسین صاحب احقر بہاری مرحوم کا انتقال ہو گیا ورنہ میں انکی تحریر پیش کرتا جس سے معلوم ہو جاتا کہ کرامت ہمدانی شاعر تھے یا نہیں! اور وہ انہیں کے یہاں حضرت ازل لکھنوی کے شاگرد ہوئے انہیں کے ذریعہ سے علی گڑھ جا کر شمس العلماء مولانا حالی سے بھی ملے تھے۔ افسوس یہ ہے کہ نواب شمس العلماء امداد امام صاحب اثر مرحوم بھی زندہ نہیں، ورنہ میں انکی تحریر بھی پیش کرتا کہ انہوں نے حضرت کرامت ہمدانی کے یہاں غالب کے خطوط دیکھے۔ اور انکی اصلاحیں دیکھیں اور انکا کلام سنا۔ بہر حال حضرت شاہ شفیع صاحب بہاری جانشین حضرت احقر بہاری مرحوم ابھی تک زندہ ہیں، انکی تحریر میں قاضی صاحب کے سامنے پیش کر سکتا ہوں جن سے مندرجہ ذیل دو باتیں ظاہر ہونگی۔

(۱) شاہ کرامت ہمدانی مرحوم شاعر تھے اور غالب کے شاگرد تھے، اور حکیم آغا حسن ازل لکھنوی مرحوم انکے یہاں نوکر تھے۔

(۲) حکیم آغا حسن صاحب ازل لکھنوی مرحوم غالب کے خطوط لیکر شاہ علی حسین عالی مرحوم ابن شاہ کرامت ہمدانی کے فرستادہ شمس العلماء الطاف حسین صاحب حالی کے پاس علی گڑھ گئے تھے اور انہوں نے وہ خطوط ان کو دکھائے تھے اور انکے مشورہ لیا تھا۔

ان باتوں کے ظاہر ہونے سے یہ فائدہ ہوگا کہ جس خط کے بارے میں میں نے "نادر خطوط غالب" میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ پہلا خط ہے جو اردو زبان میں غالب نے لکھا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ خود شمس العلماء حالی نے اس خط کو دیکھ کر یہ فرمایا تھا کہ "یہ پہلا خط ہے جو غالب نے اردو میں لکھا ہے" پھر قاضی عبدالودود صاحب کا یہ لکھنا کہ حالی نے ہمیشہ کا لفظ بے احتیاطی کے ساتھ استعمال کیا ہے، کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ اسکا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ثابت ہوگی کہ معاصر کے صفحہ ۲۰ میں (الف سے لیکر (ط) تک جتنے اعتراضات ہیں اور جن کے متعلق قاضی صاحب کا خیال ہے کہ یہ باتیں حالی مرحوم کی "یادگار غالب" سے لی گئی ہیں۔ وہ حالی مرحوم نے غالب کے خطوط کرامت ہمدانی مرحوم کے نام دیکھ کر لکھی ہیں اور کوشش اس بات کی کی ہے کہ غالب کے اشعار کے معنی غالب ہی کے الفاظ میں ادا کئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ حالی مرحوم نے عالی ہمدانی مرحوم کے نام ایک خط بھی لکھا تھا جس میں یہ بات صاف طور پر لکھی تھی۔ افسوس مجھے وہ خط باوجود تلاش کے نہ مل سکا ورنہ وہ ان سب باتوں کو اچھی طرح ثابت کر دیتا۔

باقی رہا اس کے ثبوت میں کہ دیگر مؤلفین و مصنفین نے بھی اساتذہ کے الفاظ نام ظاہر کئے ہوئے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں یا نہیں؟ میں صفدر مرزاپوری مرحوم کی مشاطۂ سخن نامی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں، اس میں جس طرح اصلاحیں صفدر مرحوم نے اس طرح درج کی ہیں کہ انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جو بہترین اصلاح کی لکھی گئی ہے وہ صفدر مرحوم کی طرف سے ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اصلاحیں [illegible]

نادر خطوط غالب

بلاک نمبر ۱

بلاک نمبر ۲

نادر خطوط غالب

بلاک نمبر ۳

بلاک نمبر ۴

قاضی صاحب نے معاصر کے صفحہ ۲۹ میں چند سوالات کئے ہیں، اُن کا جواب حسب ذیل ہے

۱۔ سوال :۔ اصلی خطوط کیا ہوئے ؟ جواب :۔ اصلی خطوط موجود ہیں۔

۲۔ سوال :۔ خطوط کی تعداد کیا ہے ؟ جواب :۔ جملہ خطوط کی تعداد ۳۵ ہے جن میں ۲۰ نادر خطوط غالب میں [illegible] باقی اس حالت میں ہیں کہ مشکل سے پڑھے جاتے ہیں، ان میں سے دو کے بلاک بنوا کر میں ندیم میں بھیج چکا ہوں، اور کبھی جس خط کا بلاک قاضی صاحب دیکھنا چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔

۳۔ سوال :۔ فارسی کے خط موجود ہیں یا نہیں ؟ جواب :۔ دو یا ایک خط فارسی زبان کا بھی ہے۔

۴۔ سوال :۔ خط کتابت کی ابتدا کب سے ہوئی ؟ اور اس کا سلسلہ کب تک جاری رہا ؟

جواب :۔ فارسی کا خط ۱۸۴۵ء کا ہے، اُردو خط کی ابتدا یکم جنوری ۱۸۵۱ء سے [illegible] کا خط موجود ہے۔

میں نے ندیم میں چار خطوط کے بلاک بنوا کر بھیج دیئے ہیں۔ پہلا بلاک غالب کے اُس خط کا ہے جو انھوں نے [illegible] (قاضی عبدالودود صاحب نہیں) کے نام لکھا گیا ہے اور اس خط کا عکس غالب کے اُس دیوان میں موجود ہے جو [illegible] ہوا ہے، یہ اس بات کو ظاہر کریگا کہ غالب اس قسم کا حرف لکھتے تھے، اور اُن کے کتابت کی اصلی شان یہی تھی۔ دوسرا [illegible] غالب کے اُس خط کا ہے جو انھوں نے بادشاہ خاں صاحب شوخی کے نام لکھا ہے۔ یہ غالب کے عزیز ترین شاگرد تھے یہ خط [illegible] مولوی مسعود عالم صاحب وکیل سیوان سے ملا، جو اُن کے ایک بزرگ منشی [illegible] عالم صاحب [illegible] مرحوم کے [illegible] محفوظ تھا۔ اس خط سے پانچ باتیں ظاہر ہونگی :۔ (۱) غالب مرحوم [illegible] شاگردوں کو لکھا کرتے تھے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اہل [illegible] بڑے وضعدار [illegible] [illegible] زندگی اُس میں فرق نہ ہوتا، مثلاً اپنی حالت کے متعلق [illegible] ہے

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب　　　　اب عناصر میں اعتدال کہاں

اس کو غالب نے مرقع ادب حصہ دوم مولفہ مرزا آپوری کے شائع شدہ خط میں بھی لکھا ہے، اور یہی شعر [illegible] نادر خطوط غالب کے خط میں بھی موجود ہے اور یہی عبارت بجنسہ بادشاہ خاں صاحب شوخی کے خط میں بھی موجود ہے۔ قاضی صاحب کا یہ اعتراض کہ "نادر خطوط غالب" کی عبارت "اُردوئے معلّٰی" اور "عودِ ہندی" کے خطوط کی عبارت سے مل جاتی ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اگر "نادر خطوط غالب" کا ایک خط "اُردوئے معلّٰی" کے دو خطوط کی عبارت کا مجموعہ ہے، تو شوخی مرحوم کے نام کا خط "نادر خطوط غالب" کے دو خط کا مجموعہ ہے۔

(۲) آموں کے پارسل بھیجنے کا [illegible] ہمدانی مرحوم کا ذکر اس خط میں موجود ہے، جس سے یہ پتہ چل گیا کہ آم جون ۱۸۵۱ء میں غالب کے پاس پہونچے اور آموں کے [illegible] میں مور جنوری میں آئے تھے جن کی وجہ سے آموں کے پارسل بھیجنے کا ارادہ حضرت کرامت ہمدانی مرحوم نے کیا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت کرامت ہمدانی مرحوم حضرت مخدوم [illegible] گوشہ نشین کے جن کا مزار محلہ سکونت بہار شریف میں ہے خاص اولاد میں تھے، اور حضرت سید حامد ہمدانی عرف حضرت مخدوم [illegible] کے ایک خلیفہ حضرت پیر [illegible] دہلی تشریف لے گئے تھے، اور اُنکے خلفاء میں ایک خلیفہ حضرت سائیں [illegible] صاحب دہلی تھے۔ جن کے معتقد مومن خاں دہلوی کے خاندان کے لوگ تھے، اور ہر شوال کے ماہ میں عرس میں شرکت کی غرض سے دہلی سے

اباکرتے تھے، اور کرامت ہمدانی مرحوم سے ملاکرتے تھے۔ آم کس طرح بھیجے گئے، اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ جلسہ میں شریک ہونے کو آئے اپنے ساتھ لیتے گئے۔ ابھی حال میں مومن خاں دہلوی کی نادر اصلاحیں شیفتہ دہلوی کے اشعار پر ندیم میں شایع ہوئی ہیں جن سے قاضی صاحب اندازہ کرسکیں گے کہ کرامت ہمدانی بہاری اور دہلی کے اساتذہ سے کیا تعلقات تھے۔

(۳) مالک رام صاحب نے یہ اعتراض کیا تھا کہ غالب اپنے خطوں میں دہلی اور بلی ماران نہیں لکھتے تھے، بیشک نہیں لکھتے تھے، مگر گزر بکشاں والا واقعہ ایسا ہوا کہ اسکے بعد سے وہ خطوط میں لکھنے لگے، اور یہ بات شوخی مرحوم کے خط میں بھی موجود ہے۔

(۴) مالک رام نے یہ بھی اعتراض کیا تھا کہ صرف عیسوی سنہ غالب اپنے خطوط میں لکھتے تھے حالانکہ جب اُن کا مخاطب مسلمان ہوتا تھا، اس کا ثبوت بھی شوخی مرحوم کے نام کے خط میں موجود ہے۔

(۵) شوخی مرحوم کا خط اور وہ خط جو قاضی صاحب کے نام غالب کے دیوان مطبوعہ نظامی پریس میں موجود ہے اور نادر خطوط غالب کے وہ دو خط جن کا بلاک ندیم میں بھیجا گیا ہے، سب ایک شان کے ایک وضع کے ایک ہی آدمی کے لکھے ہوئے ہیں اور ہرگز ہرگز جعلی نہیں ہیں۔

تیسرا بلاک غالب مرحوم کے اُس خط کا ہے جو نادر خطوط غالب کے مجموعہ کا وہ خط ہے جس میں انہوں نے پچاس روپے کے دو نوٹوں کا ذکر کیا ہے، اور مالک رام صاحب نے اس خط پر اتنا کہا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس خط کو اپنے ایک دوست کے پاس جنکا نام وہ نہیں ظاہر کرتے دیکھا تھا۔ مگر اُس پر ۲۳ دسمبر ۱۸۶۱ء کی تاریخ نہیں دیکھی تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس خط کا بلاک موجود ہے، ناظرین دیکھ لیں کہ مالک رام صاحب نے اگر دیکھا تو عالم خواب میں دیکھا، جس کی کوئی سند نہیں ہو سکتی۔

چوتھا بلاک۔ چوتھے خط کا بلاک بھی "نادر خطوط غالب" کے ایک خط کا عکس ہے جس سے قاضی صاحب کے بہت سے اعتراضات کا جواب ملتا ہے، ان خطوں کی عبارت کی شان، حروف کے لکھنے کا انداز اور کتابت کی ترکیب بجنسہٖ وہی ہے جو غالب مرحوم کے اُس خط کی ہے جو دیوان غالب مطبوعہ نظامی پریس میں شایع ہو چکا ہے، اگر جعلی ہیں تو سب جعلی ہیں۔ اور اگر اصلی ہیں تو سب اصلی ہیں۔ بے جا اعتراضات کرنے والے جو اعتراض چاہیں کریں۔ مگر خدا کے لئے نئی تحقیقات کی دھن میں عقل و بینائی سے کام لینے سے معذور نہ ہو جایا کریں۔

رسالہ آج کل گیا

اپریل ۱۹۴۴ء

اساتذۂ اردو کے غیر مطبوعہ خطوط

(از سید محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی گیاوی پرنسپل ایم اے (گولڈ میڈلسٹ) پی ای ایس)

غالب مرحوم کے غیر مطبوعہ خطوط

(شاہ سید کرامت حسین ہمدانی المتخلص بہ کرامت کے نام)

سید شاہ کرامت حسین ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ میرے پرنانا بھی تھے اور پردادا بھی۔ وہ بہار شریف محلہ بیگن گری میں رہا کرتے تھے۔ وہ حضرت مخدوم سید ہمدانی عرف حضرت مخدوم گنج گوشہ نشین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ اور صاحب سجادہ تھے۔ ان کی ولادت [illegible] میں ہوئی اور [illegible] میں ایک سو ایک سال کی عمر میں ان کا وصال ہوا۔ وہ شاعر بھی تھے اور شاعری میں انہیں حضرت غالب دہلوی مرحوم سے تلمذ حاصل تھا۔ وہ کرامت تخلص فرماتے تھے۔ ان کا غیر مطبوعہ دیوان اور حضرت غالب مرحوم کی اصلاحیں میرے پاس محفوظ ہیں جو انشاءاللہ وقتاً فوقتاً ناظرین کے ملاحظے سے گزرینگی۔ سید صاحب کی مکمل سوانح مع ملفوظات کے الحاج میر عبداللہ بالی پی مرحوم نے لکھی ہے جو عنقریب طبع ہونیوالی ہے۔ سردست حضرت غالب دہلوی مرحوم کے چند غیر مطبوعہ خطوط شائع کئے جاتے ہیں۔ جو ناظرین کی ضیافت طبع کے باعث ہونگے۔

رسا ہمدانی گیاوی

۱

از دہلی محلہ بلی ماران

۱۰ جمادی الثانی [illegible]

شاہ صاحب کو غالب ناتواں کا سلام پہونچے۔ بھائی میرا حال کیا پوچھتے ہو۔ زندہ ہوں مگر

مُردے سے بدتر۔ حوادثِ زمانہ و عوارضِ کبر سنی سے نیم جان ہو رہا ہوں۔ غذا کی حقیقت یہ ہے کہ صبح کو آٹھ دس بادام کا شیرہ۔ دوپہر کو سیر بھر گوشت کا پانی۔ دو گھڑی دن رہے دو یا تین تلے ہوئے کباب اور بس نسیان حد سے گزر گیا۔ خطوط کلام اصلاح طلب بکس یا کتاب میں رکھ دیتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ ایسی حالت میں اگر خط کا جواب یا اصلاحی غزل دیر میں پہونچے تو شکایت نہ کیا کرو۔ کیا مجھے زندہ سمجھتے ہو جو تازہ کلام کی فرمائش کرتے ہو۔ غنیمت نہیں جانتے کہ مردہ کچھ لکھ کر بھیج دیتا ہے۔ سو روپے جو تم نے بھیجے وہ مجھے ملے۔ میں دوستوں کی خدمتگذاری میں کبھی قاصر نہیں رہتا۔ اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔ میں یونہیں خدمتگذاری کو حاضر ہوں۔ جب چاہو اپنا کلام بھیجو۔ تمہاری تینوں غزلیں بعد اصلاح بھیجتا ہوں۔ چشم بد دور۔ تمہاری طبیعت مناسب سخن رکھتی ہے۔ اللہ نگاہ بد سے محفوظ رکھے۔

نجات کا طالب
غالب

۳

از دہلی۔ محلہ بلی ماران
۱۷ مئی ۱۸۶۲ء

جانِ غالب کل تمہاری غزل بعد اصلاح ٹکٹ دار لفافے میں رکھ کر بھجوا دی ہے۔ یہ شعر تم نے خوب کہا ہے۔ بالکل میر کی زبان ہے۔ ؎

میری ہچکیوں کے ساتھ نکل آئے گا کلیجہ   جو یہی رہے گی حالت جو یہی رہے گا رونا

بہار تشریف کیا لاؤں۔ نہ مجھ میں طاقت ہے نہ جرأت ہے۔ اب سوائے سفرِ آخرت کے کسی سفر کے میں قابل نہیں۔ تم سید ہو۔ مخدوم زادے ہو۔ میں بوڑھا ہوں اور دعائے مغفرت کا طالب۔ ؎

دمِ واپسیں برسرِ راہ ہے   عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

جب تک جیتا ہوں نامہ و پیام سے شاد اور بعد میرے دعائے مغفرت سے یاد کرتے رہنا۔ ؎

ذلیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے
لگا دے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

میرے اس شعر میں "خسِ جوہر" سے مراد جوہرِ آئینہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جوہرِ آئینہ کو معشوق کے سبزۂ خط سے طراوت پہونچ جاتی ہے۔ ورنہ اس کے آتشیں رُخ کے عکس سے خانۂ آئینہ میں آگ لگ جائے

نجات کا طالب
غالب

(۳)

جانِ غالب - مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعہ میں شہزادگانِ تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کرتے ہیں۔ میں کبھی اس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔
برسات کا حال کیا پوچھتے ہو خدا کا قہر ہے۔ قاسم خاں کی گلی سعادت خاں کی نہر ہے۔ میں جس مکان میں رہتا ہوں عالم بیگ خاں کے کٹرے کی طرف کا دروازہ گر گیا۔ مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو دروازہ تھا گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں۔ صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے۔ چھتیں چھلنی ہو گئی ہیں۔ مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے۔ کتابیں قلمدان سب توشہ خانہ میں۔ فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا ہے کہیں چلمچی دھری ہوئی ہے۔ خط کہاں بیٹھ کر لکھوں ایسی حالت میں اگر خط کے جواب میں دیر ہوا کرے تو خیال نہ کیا کرو ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

ذرا اس شعر میں کیا ہے جو تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ جو بات وہ مجھ سے پوچھتا ہے۔ کاغذی پیرہن سے مراد فریاد کردن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہستی موجب ملال و آزار ہے۔ یعنی تصویر بھی بزبانِ حال فریاد کرتی ہے کہ مجھ کو ہست کر کے کیوں رنجِ ہستی میں مبتلا کیا۔ کہو اب بھی سمجھے یا نہیں؟ اگر اس پر بھی نہ سمجھو تو تمہاری سمجھ کا قصور ہے۔ زیادہ والدعا۔

نجات کا طالب غالب

جولائی سنہ ۶۲ء

(۴)

از دہلی۔ محلہ بلی ماران۔ ۹ مئی سنہ ۵۹ء

جیتے رہو اور خوش رہو۔ ع اے وقت تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی
تمہارا خط آج صبح کو آیا۔ میں دوپہر کو جواب لکھتا ہوں۔ آجکل یہاں کا حال کچھ نہ پوچھو۔ سوائے اناج ...

اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ دوکانیں حویلیاں ڈھادی جائیں گی۔ دارالبقا فنا ہو جائے گی۔ رہے نام اللہ کا۔ خان چند کا کوچہ شاہ بولا کی بڑھ تک ڈھے گا دونوں طرف سے پھاوڑہ چل رہا ہے۔ باقی خیر و عافیت ہے

لب خشک۔ در تشنگی مردگاں کا
زیارت کدہ ہوں۔ دل آزردگاں کا

میرے اس شعر میں اظہار ناکامی کا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مصرعۂ اول کے آخر میں "ہوں" محذوف ہے۔ تشنگی استعارہ ہے آرزو و شوق سے۔ مطلب یہ ہے کہ میں گویا لبِ خشک ہوں ان لوگوں کا جو آرزو و شوق میں مر گئے ہیں اور میں زیارت گاہ ہوں آزردہ دل لوگوں کا

شبِ غم مرا تڑپنا وہ جگر میں درد ہونا
کبھی رو کے آہ کرنی کبھی آہ کر کے رونا

تمہارا یہ مطلع بہت اچھا ہے اور مجھے پسند ہے۔ دوسرے مصرعہ کو یوں بنا دو ع
کبھی آسماں کو تکنا کبھی آہ کر کے رونا
"رو کے آہ کرنی" کے بجائے "آسمان کو تکنا" زیادہ برمحل ہے۔

نجات کا طالب غالب

اگست ۱۹۲۱ء

(۵)

از دہلی - بلی ماران
۲۱ اگست ۱۸۶۲ء

بھائی تم جیتے رہو اور مراتب علیا کو پہنچو۔ تمہارے خط میں پچاس پچاس روپے کے دو نوٹ پہنچے۔ میں مسہل میں ہوں یہ نہ سمجھنا کہ بیمار ہوں۔ حفظِ صحت کے واسطے مسہل لیا ہے۔ تمہاری غزل درست کر کے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔

بلبل نہ جا قریب کہ ہیں خار دیکھ
ہو کر الگ تو باغ سے گل کی بہار دیکھ

نامۂ فراق بنام مدیر ندیم

از پروفیسر رگھوپتی سہائے صاحب فراق گورکھپوری

---

۹ مئی سنہ ۴۲ء

فراق نواز ـــــــــــ

خط ملا۔ فراق نوازی کا شکریہ۔ ہاں یہ تو بتائیے کہ جناب مدہوش کا نشہ ٹوٹا یا نہیں۔ یعنی وہ اتنا ہوش پر آئے یا نہیں کہ آپ کا اور میرا خط پاکر ندیم کے لئے کچھ لکھ سکے۔ وہ اپنے کو میرا معتقد تمدنی کہتے ہیں، اور میرے نیاز مند شفیق بھی ہیں۔ مگر شفق بہت زیادہ اور ناصح بہت کم۔ یہ روحانیت کے قائل ہیں، مجاز سے حقیقت کو جدا سمجھتے ہیں۔ اور میں دہریہ اور لامذہب ہوں۔ اسی سے تو کفریات پر سیکڑوں اشعار کے منجملہ میں نے یہ شعر بھی کہا ہے۔ ؎

جو غور کر تو خدا کیا ہے بس یہی دنیا، یہ اور بات کہ دنیا ہے آدمی کے لئے

ایک اور شعر:-

خدا کو اہل جہاں جب بنا چکے تو فراقؔ، پکار اٹھے کہ خدا نے ہمیں بنایا ہے

انہیں باتوں سے میرے اور مدہوش کے اچھی خاصی جھڑپیں رہیں جو کفر و ایمان برطرف ہمیں بڑے لطف کی۔ سب سے بڑا فائدہ ان جھڑپوں کا یہ ہوتا تھا کہ ہم دونوں تھک جاتے تھے، اور کبھی کبھی آدمی کو تھک جانے کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ بھلا سوچئے تو کہ اگر آدمی کبھی نہ تھکے تو زندگی دوبھر ہو جائے۔ جنت میں جس نرم و نازک فضا اور جن آسایشوں اور تن آسانیوں کا ذکر ہے، تو اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت بہت تھکے ہوئے رہیں گے۔ بہر حال بے تھکے ہوئے آدمی میں بہت سی علتیں اور کثافتیں ہوتی ہیں، اور انہیں کے دور ہو جانے کا نام تھکنا ہے۔ تھکاوٹ آہ تھکاوٹ! کسی بڑے مصنف کا قول ہے کہ "وہ لذت و خوشی کیا جو تھکا نہ دے"!

ہم اور آپ اکھنڈ ہندوستان کے قائل ہوں یا نہ ہوں۔ اکھنڈ آزادی کا تو قائل ہونا ہی پڑیگا۔ جب آزاد ہو لیں گے تو ہندوستان کی دو تین یا اس سے بھی زیادہ حکومتیں عوام کو ترقی اور خوش حالی کی دولت سے مالا مال

نیاز کیش

رگھوپتی سہائے فراق، گورکھپوری

عکس غیر مطبوعہ مکتوب نواب وقار الملک مشتاق حسین مرحوم

بنام

جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب ام۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لندن

Honorary Secretary's Office.
Aligarh

علیگڈہ ۷ مارچ ۱۹۰۹ع

مخدومی سید محمود صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

عنایت نامہ مرقومہ ۱۶ ماہ گذشتہ نے مجھ کو ممنون فرمایا۔

کالج کی انگلش ریڈرشپ کے متعلق جو خبریں آپکو پہونچیں

ان کی بنا پر آپکا فکرمند ہونا طبعی امر تھا۔ اور آپ [illegible]

سے بہت مشکور ہوں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جسوقت کسی

ایسی ضرورت پیش ہوگی جسمیں آپ عزیزوں اور دوستوں کی

امداد درکار ہوگی تو اسوقت آپ [illegible] کی

کوشش نہ کرینگے۔ لیکن اب زیادہ فکر نہیں اور [illegible]

کرنی ہے اسوقت تک کی حالت سے کچھ [illegible]

NADEEM (Gaya) 1931 - 49 : Selections, 5

Letters of Eminent Personalities

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna

رسالہ ندیم گیا (۱۹۳۱ء - ۱۹۴۹ء) سے انتخاب - ۵

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

مکتوبات مشاہیر

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ